

مایہ ناز مصنفہ کی ایک دلکش طویل تحریر

# کتنا سہل ہے جاننا تھا

نگہت سیما

طویل مکمل ناول

خواتین ڈائجسٹ مئی 1998ء

Imagitor



# کتاب سہرا حلالہ

ڈپارٹمنٹ کی فائزہ علی آج بھی پنپے ہوئے تھی حالانکہ ماریہ حیدر اسے کتنی دفعہ اشاروں اشاروں میں بتا چکی ہے کہ وہ ٹائٹس پہن کر بالکل کارٹون لگتی ہے اور یا یہ کہ آج کھانے میں چکن اور بریانی تھی اور حسب معمول فضل داد نے چکن میں نمک زیادہ اور بریانی میں کم کر دیا تھا۔ وغیرہ وغیرہ۔  
یہ شوق تو حمزہ آیا کو تھا۔ وہ ہر سال نئی ڈائری خریدتی تھیں اور بڑے اہتمام سے ہر شام اپنے کمرے میں بیٹھ کر ڈائری لکھا کرتی تھیں اور ہم سب حیران ہوا کرتے تھے کہ آخر آیا ڈائری میں کیا لکھتی ہیں۔

15 اپریل 1994ء مجھے ڈائری لکھنے کا کبھی شوق نہیں رہا لیکن پھر بھی آج کل بڑی باقاعدگی سے لکھ رہی ہوں۔ حالانکہ میرے پاس لکھنے کے لئے کوئی خاص بات نہیں ہوتی۔ بس یہی کہ آج میں یونیورسٹی گئی تھی۔ میں نے ریڈ سوٹ اور بلیک ٹراؤزر پہنا ہوا تھا۔ بلیک ہی فل بازو والی جرسی تھی اور بلیک ہی اسکارف تھا۔ نمبر نے فلاں کلر کا ڈریس پہنا ہوا تھا اور یہ کہ فاریہ آج بھی فل میک اپ کے ساتھ یونیورسٹی آئی تھی اور اس نے اپنی مخصوص براؤن کلر کی لب اسٹک لگا رکھی تھی اور اردو





مکمل ٹاؤن





”ڈائری تو جب لکھی جاتی ہے جب کوئی محبت و محبت کا چکر ہو۔“

ایک بار چھوٹی خالہ کی مصباح نے انکشاف کیا تھا اور مونی نے اس نامعلوم روزانہ کے سرخ لگانے کی حتی الامکان کوشش کی تھی اور پھر ناکام ہو کر رہ گیا تھا۔

”کیا کچھ پتا چلا؟“

سونی! اور میں! حزنہ بیکار کے پراسرار روزانہ کے متعلق جاننے کو بہت بے چین ہو رہے تھے۔

”ارے! یہ کیا روزانہ کس کی؟“ مونی حد درجہ مایوس تھا۔ دوڑے میں لپٹی لپٹائی کھر سے برآمد ہوتی ہیں اور ادھر ادھر دیکھے بغیر سیدھی کالج اور پھر وہاں سے سیدھی گھر۔ خواہ مخواہ خوار ہوا۔“

”خیر! پھر کسی دن کوشش کر کے دیکھنا۔ شاید کچھ پتا چلے۔“ سونی نے اسے تسلی دی۔ ”مجھے یقین ہے۔“ مصباح غلط نہیں کہتی۔ تم ایک کوشش اور کر کے دیکھ لو۔“

”خواہ مخواہ۔“ مونی نے صاف انکار کر دیا۔ ”سونی تو مصباح کی ہر غلط صحیح بات پر آنکھیں بند کر کے اعتبار کرتا ہے۔“

سونی کو اپنی محنت ضائع جانے کا سخت دکھ تھا۔ ”تو پھر بھلا حزنہ آپ کیا لکھتی ہیں اپنی ڈائری میں؟“ سونی نے بحث کی۔

”آلو سباز کا بھانڈا۔“ مونی سخت جھٹایا ہوا تھا۔

حزنہ آیا تو جانے کیا لکھتی تھیں۔ صفحے کے صفحے کاٹے کرتی رہیں۔ میں اور مونی ایک ایک کرکڑی کی جالیوں سے دیکھتے اور حزنہ آپا لکھے چلی جاتیں۔ لیکن میرے پاس لکھنے کو کچھ بھی نہیں ہے پھر بھی میں نے ڈائری لکھنا شروع کر دیا ہے۔ شاید میں لاشعوری طور پر ہر وہ کام کرنے کی کوشش کرتی ہوں جو حزنہ آپا کیا کرتی تھیں۔ حالانکہ حزنہ آپا کبھی بھی میرا آئیڈل نہیں رہیں۔ بلکہ جب پہلی بار میں نے حزنہ آپا کی آمد کے متعلق بتایا تھا تو مجھے ان کا نام سن کر انتہائی شدید شاک لگا تھا۔ بلکہ مجھے ان کے نام پر سخت اعتراض تھا۔ کیونکہ حزنہ میرا پسندیدہ ترین نام تھا۔ جب میں لاسٹ ایر کراچی جا رہی تھی بڑے ماموں کے ہاں تو

میرے ساتھ والی سیٹ پر جو بچہ تھا۔ اس کا نام حزنہ تھا۔ نیلی آنکھوں گولڈن بالوں اور گلابی رنگت والا وہ بچہ اتنا پیارا تھا کہ میں نے اسی وقت سوچ لیا تھا کہ بچو چچا کے ہاں بیٹا پیدا ہو گا تو میں اس کا نام حزنہ رکھوں گی۔ لیکن ان کے ہاں بیٹے کے بجائے بیٹی نے آکر مجھے انتہا سے زیادہ مایوس کیا تھا۔

”اف! اب میں حزنہ کس کا نام رکھوں گی؟ نہ نہ تم! اس قدر مایوس نہ ہو۔ ہم آخر تمہارے بھائی کس دن تمہارے کام آئیں گے۔“

سونی اور سونی دونوں میری مایوسی پر انتہائی دل گرفتہ تھے۔

”ہم دونوں میں سے جس کے ہاں پہلے بیٹا ہوا، تم اس کا نام حزنہ رکھ دینا۔“ مونی نے فراخ دلی کا مظاہرہ کیا۔

”لیکن تمہاری شادی تک تو دس لاکھ بچوں کا نام حزنہ رکھا جا چکا ہو گا۔“

”وہ تو خیر دس لاکھ بچوں کا اب بھی حزنہ نام ہو گا۔“ سونی نے بے نیازی سے کہا۔

”لیکن ہمارے خاندان میں تو کوئی نہیں ہے نا حزنہ نام۔“

”بے فکر رہو۔ ہماری شادیوں تک خاندان میں دس لاکھ بچوں کے اضافے کا ہرگز امکان نہیں ہے۔“ مونی نے ہر طرح مجھے تسلی دینے کی کوشش کی تھی لیکن میری مایوسی انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ ”پھر بھی تمہاری شادی تک تو اس نام کی مارکیٹ ویلیو ہی ختم ہو جائے گی۔“

”تو پھر۔“ مونی نے چٹکی بجاتی۔

”میں سے کہتے ہیں۔ وہ عنفی بھائی کو فوراً امریکہ سے بلا کر ان کی شادی کر دیں۔“

”اول تو عنفی بھائی امریکہ سے آئیں گے نہیں۔ اپنی تعلیم ادھوری چھوڑ کر۔ دوسرے کیا خبر ان کے ہاں صرف لڑکیاں ہی لڑکیاں ہوں۔“

سونی کی عادت تھی ہمیشہ نیگیٹو بات کرنے کی۔ میں نے برا سامنہ بنالیا۔

”دراصل اس کی اپروچ ہی غلط ہے۔“ مونی نے

مجھے تسلی دی۔

اور میں اچانک اچھل پڑی۔

”ارے ہم نزی آپلی کو بھول ہی گئے ہیں۔ نزی آپلی۔ بس ٹھیک ہے نزی آپلی کے ہاں۔ جب بھی کوئی فرزند ارجمند وارد ہوئے تو ان کا نام حنزہ رکھا جائے گا۔ زارا چچی نے تو مجھے سخت مایوس کیا تھا۔ لیکن نزی آپلی سے مجھے ہرگز یہ امید نہیں تھی کہ وہ مجھے مایوس کریں گی۔“

اور اسی شام جب نزی آپلی اقتدار بھائی کے ساتھ آئیں تو میں نے اپنا فیصلہ سنا دیا۔

”ارے کمال ہے۔ بچہ ہمارا ہو اور نام تم رکھو۔ ویسے یہ خبر تم تک پہنچی کیسے کہ ہم ایک عدد فرزند کے والد ماجد بننے والے ہیں۔ جبکہ ہمیں خود بھی ابھی ابھی۔“

انہوں نے شرارت سے نزی آپلی کی طرف دیکھا تو

وہ مسخ پڑ گئیں۔

”بس میں نے کہہ دیا ہے ناں کہ اس کا نام میں رکھوں گی۔“

”لیکن یہ تو سراسر فاول ہے۔“

اقتدار بھائی سطرار ہے تھے لیکن میں نے ان کی طرف دھیان ہی نہیں دیا اور نزی آپلی کا ہاتھ تھام لیا۔

”اور اگر اس کی آمد سے پہلے میں مر گئی تو میری وصیت ہے کہ آپ اس کا نام حنزہ رکھیں گی۔“

میں نے دانستہ آواز میں رقت پیدا کر لی تھی۔

”بعدہ کریں نا آپلی۔“

”فضول باتیں مت کرو۔ تم زندہ رہو گی۔“

”اور اپنے بھانجے کا نام خود رکھو گی۔“

اقتدار بھائی نے لقمہ دیا۔

نزی آپلی کو ہم سے یعنی مجھ سے بہت پیار ہے بلکہ ان کو ہی کیا سب کو ہی مجھ سے بہت پیار ہے۔ غرض

بھائی یعنی عفان سب سے بڑے ہیں پھر نزہت آپلی جن میں کبھی کبھی پیار سے نجی آپلی یا نجو نزی کہہ کر بلایا جاتا ہے اور ان سے چھوٹے ستان یعنی سونی اور پھر

میران عرف سانی اور سب سے چھوٹی میں ہوں رمانہ۔

میرا نام بڑے چچا نے رکھا تھا۔ وہ ان دنوں سعودیہ سے آئے ہوئے تھے۔ اور بقول مولیٰ کے جب میں پیدا ہوئی تھی تو میرا رنگ بالکل انار کی طرح سرخ تھا اور علی میں انار کو رمان کہتے ہیں۔ اور جب دادی لی نے بڑے چچا سے کہا کہ اس کا کوئی علی نام رکھ دو تو انہوں نے جھٹ سے رمان کہہ دیا جو بعد میں رمانہ ہو گیا اور رمانہ سے رمارہ گیا۔ سنا ہے میرے نام پر نجو چچا اور شفلو ماموں نے سخت احتجاج کیا تھا۔ کہ اس نام کے کوئی خاص معنی نہیں ہیں۔

لیکن بڑے چچا نے یہ کہہ کر ان کی علیست پر پانی پھیر دیا تھا کہ آخر ہماری نانی اماں کا نام بھی تو اناراں بیگم تھا۔ چونکہ دادی لی کو اور ہمارے ڈیڈی جان کو بڑے چچا کی دل شکنی منظور نہ تھی کیونکہ وہ پورے چھ سال بعد سعودیہ سے تشریف لائے تھے لہذا میرے لئے یہ نام منظور کر لیا تھا۔ سو میں گھر میں سب سے چھوٹی اور گھر بھر کی لاڈلی ہوں۔ ڈیڈی مجھے ”پنچھٹ“

کہتے ہیں اور نجو چچا لاڈ میں ”اکر“ لٹھمن“ کہتے ہیں۔

مجھے کسی حنزہ آپا کی آمد کی خبر سن کر شاک سا لگتا تھا۔

مولیٰ نے میرے آگے ہاتھ لہرایا۔

”سکتے ہو گیا ہے شاید۔“

سونی نے جو قریب ہی کھڑا تھا۔ سر جھکا کر مجھے دیکھا

تو میں سکتے کی کیفیت سے باہر آئی۔

”مگر یہ تو سراسر مردانہ نام ہے۔“ میں روہانی ہو گئی

”بھئی گاؤں میں لوگ ناموں پر اتنا دھیان نہیں

دیتے تاجیسے اب تمہاری تارا خالہ ہیں۔ ان کا نام مختار

ہے۔“

اور مجھے حیرت ہوئی تھی۔

مولیٰ کو تو زخموں پر نمک چھڑکنے میں مزا آتا تھا۔

”ظاہر ہے۔ اب حنزہ آپا کی موجودگی میں نزی آپلی

کے فرزند ارجمند کے لئے تمہیں کوئی اور نام سوچنا

پڑے گا۔“

”سوچ لوں گی۔ تمہیں کیا۔“

مجھے خواہ مخواہ ہی غصہ آرہا تھا۔

”مجھے نہیں تو اور کسے ہو گا۔ نزی آپلی چند روز



میں ہاسپٹل جانے والی ہیں اور اقتدار بھائی نے ہر جگہ اعلان کر دیا ہے کہ ان کے جانشین کا نام آپ رکھیں گی۔

”سیر ایسی بھی پریشانی والی بات نہیں ہے۔“ مولیٰ نے ہمدردی جتائی۔ ”میں کل ہی درجن بھر خواتین کے پرچے خریدتا لاؤں گا۔ بھیجی کیا کیا در تابیاب مل جائیں گے۔“

”ہاں یہ صحیح ہے۔“ میں بٹا ہر تو مطمئن ہو گئی تھی لیکن مجھے حزنہ آپا کی آمد قطعی اچھی نہیں لگ رہی تھی۔ آجائیں۔ ضرور آئیں۔ کوئی نہ کوئی آتا ہی رہتا ہے۔ می کو شوق ہے مہربانیاں کرنے کا۔ جب بھی گاؤں جاتی ہیں۔ کسی نہ کسی کو ساتھ لگالاتی ہیں۔ ابھی پچھلے سال گلاب خان آیا تھا پڑھنے کے لئے اور اس سے پچھلے سال نہ جانے کون۔ حزنہ آپا بھی آئیں لیکن کیا ضروری تھا کہ ان کا نام حزنہ ہی ہوتا۔ کوئی اور بھی ہو سکتا تھا۔ سو میں ان کے آنے سے پہلے ہی ان سے سخت خفا تھی۔

حزنہ آپا امی کی کسی کزن کی بیٹی تھیں اور قرہی قبے سے انہوں نے انٹر کیا تھا اور اب لی اے کرنا چاہتی تھیں۔ لیکن قبے میں صرف انٹر کالج تھا۔ می گاؤں گئیں تو انہوں نے ہمیشہ جیسی فراخ دلی کا مظاہرہ کیا۔ ”اپنا گھر ہے۔ حزنہ اطمینان سے رہے اور پڑھے۔“

انہوں نے اپنی کزن کو تسلی دی وہ کچھ متذبذب تھیں۔ لیکن می نے تو حزنہ آپا کے سخت گیر والد سے اجازت بھی لے لی۔ اور گھر آتے ہی ان کی آمد کا اعلان کر دیا۔

”نزی کے جانے کے بعد رہا بھی اکیلی ہو گئی ہے۔ حزنہ کے آنے سے اس کی تنہائی بھی دور ہو جائے گی۔ لڑکوں کے اپنے شغل ہوتے ہیں۔ پھر بے چاری کنیر فاطمہ بہت پریشان تھی۔“

انہوں نے ڈیڈی کو پوری تفصیل بتادی تھی۔ اور ڈیڈی کو تو کبھی کوئی اعتراض ہوتا ہی نہیں تھا۔ پہلے گاؤں سے کوئی پڑھنے آتا تھا تو انیسویں میں بھرتا

تھا۔ لیکن حزنہ آپا کے لئے میرے ساتھ والا کمرہ جو پہلے نزی آپا کا بیڈ روم ہوتا تھا۔ می نے سیٹ کروا دیا تھا۔ می ایسی چھوٹی مولیٰ نیکیاں کر کے خاندان میں بہت مقبول ہو گئی تھیں۔ اور جب بھی گاؤں جاتیں ہاتھوں ہاتھ لی جاتی تھیں۔ خوب خاطر تواضع ہوتی تھی ان کی۔

مجھے می کی اس نیکی پر قطعاً کوئی اعتراض نہ تھا۔ بس مجھے ان کے نام پر شدید اعتراض تھا۔ سو میں ان کے آنے پر احتجاجاً کمرے سے باہر ہی نہیں نکلی تھی اور سر شام ہی سو گئی تھی۔ منکر نکیر یعنی شبو اور تبو دوبار مجھے رات کے کھانے کے لئے بلانے آئی تھیں لیکن میں سوتی بن گئی تھی۔ مگر پھر سچ سچ ہی مجھے نیند آگئی تھی۔

سو صبح ناشتے پر ہی میری ملاقات ہوئی تھی ان سے۔ می نے میرا تعارف کروایا تھا۔

”یہ رہا ہے اور یہ تمہاری حزنہ آپا ہیں۔“ سفید دوپٹا پیشانی تک اس طرح۔ ”تھا جیسے استانی جی جو ہمیں بچپن میں قرآن پڑھانے آتی تھیں۔ سفید شلوار اور براؤن یا مسٹرڈ رنگ کی گھٹنوں تک لمبی تیرہنی۔ اب اتنا عرصہ گزرنے کے بعد رنگ ٹھک طرح سے یاد نہیں۔ لیکن وہ زیادہ تر اسی طرح کے رنگ پہنتی تھیں۔“

بڑی بڑی کشادہ آنکھوں پر جھکی ہوئی سیاہ پلکیں بھیگی بھیگی سی تھیں بلکہ میں نے غور کیا تو ان کے رخساروں پر بھی آنسوؤں کے قطرے تھے۔

”ہیں! یہ کیوں رو رہی ہیں۔“ ”دراصل ابھی ابھی ان کی اماں جان رخصت ہوئی ہیں۔“

مولیٰ نے ابلا پوا اٹھا پورا کا پورا منہ میں رکھتے ہوئے بتایا۔

”اور انہیں ڈر ہے کہ ان کی اماں جان کی غیر موجودگی میں ہم انہیں ماریں گے یا کاٹ کھائیں گے۔“

میں فطرتاً ”نرم دل واقع ہوئی ہوں اور آنسو تو کسی

آتا ہے۔ کہاں یہ تصور اور کہاں آپ جیسی نازک حینہ۔

”حمزہ آپا سونچا کئے ہوئے ہوئے مسکرا رہی تھیں۔“

”میری دادی جان نے یہ نام رکھا تھا۔“  
”اگر وہ بقید حیات ہوں تو پلیر مجھے ان کا پتا بتا دیجئے گا۔ میں ان سے نام رکھنے کی وجہ تسمیہ معلوم کروں گا۔ بلکہ انہیں مجبور کروں گا کہ وہ آپ کا نام بدل دیں۔ کیونکہ اس نام سے نہ صرف آپ کی نسوانیت مجروح ہوئی ہے بلکہ ہماری رما کے خواب بھی چکنا چور ہو گئے ہیں۔“

وہ مسلسل بول رہا تھا اور مجھے ایک بار پھر یاد آ گیا کہ حمزہ آپا نے اگر نرزی آپا کے ہونے والے فرزند ار حند کے لئے میرے سوچے گئے نام کا بیزا غرق کر دیا تھا۔ سو میں ان کا ہاتھ چھوڑ کر قدرے برے بیٹھ گئی۔  
لیکن حمزہ آپا اتنی اچھی اتنی پیاری تھیں کہ زیادہ دن اور نہیں رہ سکیں۔

آج میں یونیورسٹی نہیں گئی تھی اور میرے پاس لکھنے کے لئے کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ چند باتیں بھی نہیں جو میں ہر روز ڈائری میں لکھتی تھی اور پھر صبح سے میں کمرے میں ہی تھکی ہوئی تھی سو منکر نکیر سے بھی کوئی بات نہیں ہوئی، سونی بھی بڑے ماموں کی طرف کراچی گئے ہوئے ہیں اور سونی آج کل کھاریاں میں ہوتا ہے۔ کس قدر بوریٹ ہے اور ڈائری میں لکھنے کے لئے میرے پاس کچھ بھی نہیں۔ پتا نہیں حمزہ آپا اپنی ڈائیروں میں کیا لکھا کرتی تھیں۔ یہ تو کبھی پتا ہی نہیں چل سکا۔ میں نے سونی کے ساتھ مل کر کتنا کھوج لگانے کی کوششیں کی تھیں۔ لیکن پتا نہیں وہ اپنی ڈائری کہاں چھپا کر رکھتی تھیں۔

میں سوچ رہی تھی کہ آج کیا لکھوں گی لیکن جب حمزہ آپا کے متعلق لکھنا شروع کیا۔ تو میرے تو ہاتھ ہی تھک گئے ہیں۔ سواب بس کرتی ہوں، صبح یونیورسٹی بھی جاتا ہے۔ نہیں تو می خوا خواہ کلاس لے لیں گی۔ اتنی بے ضروری می فضول میں چھٹی کر لینے پر اچھی خاصی خوشخوار ہو جاتی ہیں۔

کی آنکھ میں بالکل نہیں دیکھ سکتی۔ سو وقتی طور پر میں بھول گئی کہ مجھے ان کے نام سے سخت اختلاف تھا۔ سو میں نے ان کا ہاتھ تھام کر تسلی دی۔ بلکہ یقین دلایا کہ۔

”یہاں انہیں کسی قسم کا کوئی خطرہ نہیں ہے۔ می تو انتہائی بے ضروری می ہیں اور سونی اتنا ڈرپوک کہ چھپکلی دیکھ کر پلنگ پر چڑھ کر چیخنے لگتا ہے رما۔ رما۔“

”اور سونی۔ اب کیا بتاؤں؟ انہیں ڈیڈی ڈاکٹر بنانا چاہتے تھے لیکن جب پہلے دن مینڈک کی ڈالی سیکشن کرنا تھی تو موصوف دھڑام سے نیچے گرے اور بے ہوش۔ ان کے دوست ناچار گاڑی میں ڈال کر گھر لائے اور تین دن تک مسلسل ابکائیاں آتی رہیں۔ بلکہ اب بھی جب کبھی وہ خطرناک منظر آنکھوں کے سامنے آ جاتا ہے تو ان کا رنگ زرد ہو جاتا ہے اور یہ واش روم کی طرف بھاگتے ہیں۔“

”فاؤل۔ فاؤل رما کی بچی یہ فاؤل ہے۔ تم تمام درون خانہ رازوں کا ابھی سے انکشاف کئے جا رہی ہو۔ وقت کے ساتھ خود ہی پتا چل جاتا ہے۔“

سونی نے میز پر مکہ مارا۔

”اوہ ہاں سوری۔“ میں نے معذرت کی۔  
”دراصل مجھے جوش میں اس بات کا خیال نہیں رہا تھا کہ میں دون خانہ رازوں کا انکشاف کر رہی ہوں۔“

اور حمزہ آپا حیرت سے لب وا کئے اور لکھنوی پلکیں اوپر اٹھائے کبھی مجھے اور کبھی سونی کو دیکھ رہی تھیں۔ میں ان کا ہاتھ پکڑے پکڑے بیٹھ گئی اور سونی سے پوچھا۔

”یہ سونی کہاں ہے؟“

”کمرے میں ہے۔“ دراصل حمزہ آپا کے نام کی ایسی دہشت پڑی ہے اس پر کہ ابھی تک تھر تھری جاری ہے۔ ویسے حمزہ آپا آپ کا یہ اتنا بہادرانہ نام کس نے رکھا تھا۔ اب دیکھیں نا اس نام سے تصور میں آتا ہے ایک بہادر جیٹا جوان لکوار ہاتھ میں پکڑے سفید پاشکی یا بلیک گھوڑے پر سوار دشمنوں کو کاٹنا کرتا چلا



ڈش وغیرہ جو ہر ڈنر پر بنتے تھے مگر حمزہ آیا تو حمزہ آیا نہیں۔

”تم سو جاؤ چندا! اگر ڈسٹرب ہو رہی ہو تو میں نمبل لیب جلا لیتی ہوں۔“

”نہیں بھلا میں کیوں ڈسٹرب ہوں گی۔ میں اپنے کمرے کا دروازہ بھیڑتی ہوں۔“

اور میں کتنی بھی نکل کر دن میں نہ آیا نہیں بن سکتی اب ذرا مولیٰ آیا ہوا تھا تو اتنے دن میں نے ڈائری لکھی ہی نہیں۔ مولیٰ بھی تو سارا دن ادھم مچائے رکھتا ہے۔ کوئی نہ کوئی ہنگامہ۔

اور پھر آتے ہی اس نے سونی کو فون پر فون کھڑا کرنا شروع کر دیئے۔ حالانکہ اسے اچھی طرح پتا تھا کہ سونی کراچی جائے تو چھوٹی خالہ کی مصباح کی وجہ سے اس کا وہاں سے آنا مشکل ہو جاتا ہے اور پھر بے چارے کا کتنے عرصہ بعد وہاں جانا ہوتا ہے۔

”اب کبل کو چھوڑ بھی دو۔“

”یار! کبل مجھے نہیں چھوڑتا۔“ سونی نے وضاحت کی۔

”تم کیوں ظالم سماں جن رہے ہو۔“

میں نے مولیٰ کو ٹوکا۔ لیکن اس نے حکم صادر کر دیا تھا کہ فوراً ”آجاؤ۔ میرے جانے کے بعد چلے جانا۔“

”یار! قدر کھو دیتا ہے ہر روز کا آنا جانا۔“ سونی دوسری طرف منمنایا تھا۔

”تو پھر نہ جانا۔“ مولیٰ کا انداز ہمیشہ بے نیازی لئے ہوتا۔

”ایک ہی بار سراباندھ کر جانا۔“

”سراباندھنے میں ابھی بہت دیر ہے میں نے کل طوطے سے فال نکلائی تھی۔“

”اچھا تو پھر کیا بتایا طوطے میاں نے۔“

”انتظار طویل انتظار۔ یار!۔“ اس نے سرگوشی کی۔

”تم غشی بھائی سے سفارش نہیں کر سکتے کہ وہ ذرا جلدی سے کیو سے مٹ جائیں تاکہ ہماری باری جلد آئے۔“

آج کتنے دنوں بعد میں نے پھر ڈائری اٹھائی ہے۔ حالانکہ لکھنے کو اتنی باتیں تھیں مثلاً یہ کہ مولیٰ آیا تھا۔ پورے ایک ہفتے کی چھٹی پر اور لفٹیننٹ کی یونیفارم میں اتنا جیلا لگ رہا تھا کہ تمی نے فوراً ”اس کی نظر اتاری۔“ یہ اتنی ماڈرن سی ممی بھی کبھی بڑی دقیا نوی ہو جاتی ہیں۔ لاکھوں کوئی چھ ماہ پہلے میں بیمار پڑ گئی تو انہوں نے فوراً ”میرے سر پر وار کر مر چیں جلا میں اور میرے جوتوں کی مٹی لے کر خدا جانے کیا کیا کر لی رہیں۔“

ان کا خیال ہے کہ مجھے بہت جلد نظر لگ جاتی ہے۔ بچپن سے ہی۔ حالانکہ میں خود دس بندوں کو نظر لگا سکتی ہوں یہ اتنی بڑی بڑی آنکھیں ہیں میری بقول مولیٰ کے بھینس بھی ان آنکھوں کو دیکھ کر شرمندہ ہو جاتی ہے کہ وہ میری کیا آنکھیں ہیں جو رما کی ہیں۔ ہاں تو لکھنے کے لئے اتنی باتیں تھیں لیکن وقت ہی نہیں ملتا تھا اور حمزہ آیا تو چاہے کتنی بھی تھکی ہوئی ہوتی۔

کتنی بھی دیر ہو جاتی وہ ڈائری لکھے بغیر سونی ہی نہ تھیں۔ جانے کیا عشق تھا انہیں ڈائری لکھنے سے۔

ممی ڈیڈی دونوں کو ہی کتنا کر بڑے فضول پارٹیاں اور ڈنر آرینج کرنے کا۔ اور ان پارٹیوں سے فاسخ ہوتے ہوتے ایک سنج ہی جاتا تھا لیکن حمزہ کیا آرام سے اپنی ڈائری نکالتی اور بیڈ پر بیٹھ کر لکھنے لگتی تھیں۔ ان کے اور میرے کمرے کے بیچ دروازہ تھا۔ میں کبھی کبھی اس کی درز میں سے آتی روشنی دیکھ کر دروازہ کھول دیتی۔

”اب تو سو جائیے ناں حمزہ آیا! تھکی نہیں ہیں۔“

”بس چندا! یہ ڈائری لکھ لوں۔“

اور میں سوچتی کہ آج کے دن حمزہ آیا کی زندگی میں کوئی اہم واقعہ تو ظہور پذیر نہیں ہوا جسے لکھنا ضروری ہے۔ وہی عام سادہ تھا۔ جس میں ڈیڈی اور ممی کے دوستوں کی فیملی کا ڈنر تھا اور ڈنر میں بھی کوئی خصوصی ڈش نہیں کی تھی۔ وہی روٹین کا۔

برہائی، پنکھ، کٹے کباب، گڑا بی گوشت اور سوٹ





حزہ آپا کو ہمارے گھر میں سب ہی پسند کرتے تھے۔ بلکہ  
بہت پسند کرتے تھے

حزہ آپا نے ہولے ہولے سب کے دل میں ہی جگہ  
بنائی تھی۔ گھر کے بہت سارے کام اپنے ذمے لے  
لئے تھے۔ سولی، سولی اور مجھ سے ان کی بہت دوستی  
تھی۔

سولی تو ان کے آنے کے چند ہی ماہ بعد کا کول چلا گیا  
تھا۔ اس نے بغیر کسی کو بتائے بالا ہی بالاسب کچھ کیا  
تھا۔ انداز بھائی کو اس نے ساتھ ملا رکھا تھا اور جب  
اس نے می کو اپنے گیشن ملنے کا بتایا تھا تو می نے  
متوسط طبقے کی ماؤں کی طرح خوب واوٹا کیا تھا۔ انہیں  
سولی کا آرمی میں جانا قطعی پسند نہ تھا۔ لیکن سولی تو  
بچپن سے وہی کرتا چلا آیا تھا جو اس کا دل چاہتا تھا۔  
آخر یہ اتنا بڑا بزنس کون سنبھالے گا؟ ایک کو وکیل  
بننے کا شوق چرایا ہے اور دوسرے آرمی میں جا رہے  
ہیں۔

”بن جائے وکیل۔“ ڈیڈی ہمیشہ کے کول ماسٹرو  
تھے۔ ”خوار ہو کے واپس بزنس میں ہی آئے گا۔ لاء  
کر کے سیٹ ہونے میں بہت ٹائم لگے گا اور  
صاحبزادے نکلیں گے نہیں۔“

”اور اگر ٹمک بھی جائیں۔“ سولی نے لقمہ دیا تھا۔  
”تو عفی بھائی تو ہیں نا۔ ایم لی اے کر کے انہوں نے  
ڈیڈی کا ہاتھ ہی توڑنا ہے۔ ان کی یہ فارن ڈگری کس  
کام آئے گی۔“

اور سولی ایبٹ آباد چلا گیا۔ اور وہاں بھی حزہ آپا کے  
ہاتھوں کے کئے کھانے اسے یاد آتے رہے ہمیں تو پتا  
ہی نہ چلا تھا کہ کب حزہ آپا نے کچن کا کام بھی سنبھال  
لیا تھا۔ وہ تو ایک دن کھانا کھاتے کھاتے اچانک سولی  
نے فضل داد کو آواز دی۔

”یار! یہ کوفتے۔ یہ اتنا ذائقہ تمہارے ہاتھ میں  
کہاں سے آگیا ہے۔ کیا کہیں سے ٹرنگ لے رہے  
ہو۔“

تب جو گرم گرم پھلکے لاری تھی۔ زور زور سے ہنسنے  
لگی۔

”اس کے ہاتھ میں تو مر کر بھی ذائقہ نہیں آئے

گا۔ یہ تو حزہ آپا نے پکائے ہیں۔“  
تب ہی میں کہوں، یہ کئی دن سے نہ کھانے میں  
ٹمک زیادہ ہوا ہے اور نہ کم۔“  
سولی نے بھی بصرہ کیا تھا۔

شروع شروع میں تو ہم حیران ہوئے۔ پھر عادی  
ہو گئے۔ کبھی کبھی سولی مجھے شرم دلاتا کہ میں بھی حزہ  
آپا سے کھانا پکانا سیکھ لوں لیکن میں انہی ست ہوں اور  
کھانا پکانے سے مجھے ویسے بھی کوئی دلچسپی نہیں تھی  
اور نہ ہی میں نے کبھی کچن میں جھانک کر دیکھا تھا۔  
حزہ آپا تو ہر طرح کے کھانے بنانے میں ماہر تھیں۔  
چائیز میں بھی مہارت تھی۔

اور پکنگ میں بھی۔ ان کا بنایا چاکلیٹ ایک تو  
عفی بھائی نے بھی بہت اشتیاق سے کھایا تھا اور  
تعریف کی تھی۔ حالانکہ انہوں نے کسی انسٹی ٹیوٹ  
میں پکنگ یا ککنگ کی کوئی کلاسز نہیں لی تھیں۔  
بس یوں ہی کتابیں پڑھ کر تجربہ کرتی رہتی تھیں۔

حزہ آپا کے جانے سے ایک بڑا نقصان یہ بھی ہوا تھا  
کہ کھانا بدمزہ ہو گیا تھا اور بے چارے فضل داد کی آئے  
دن سختی آئی رہتی تھی۔ حالانکہ حزہ آپا کے آنے سے  
پہلے اسی کے ہاتھ کا بننا کھانا ہم سب بہت رغبت سے  
کھاتے تھے۔ حزہ آپا پورے چار سال ہمارے گھر رہی  
تھیں اور گھر کا ایک فرد ہی بن گئی تھیں جتنا میں نزی  
آلی اور سولی کو مس کرتی ہوں۔ اتنا ہی انہیں بھی مس  
کرتی ہوں۔ جب حزہ آپا آلی آلی تھیں تو میں فرسٹ ایر  
میں تھی اور انہوں نے تھوڑا ایر میں ایڈمیشن لیا تھا۔  
یوں عمر میں وہ مجھ سے تقریباً چار سال بڑی تھیں۔  
ایف اے کے بعد کچھ عرصہ کے لئے ان کا تعلیمی  
سلسلہ منقطع ہو گیا تھا۔

”اور اگر می، آپا کو راضی نہ کرتیں کہ وہ مجھے ان  
کے ساتھ بھیج دیں تو شاید میں کبھی پڑھ نہ سکتی۔“  
کئی بار انہوں نے اس بات کا اعتراف سب کے  
سامنے کیا تھا۔ شاید اسی جذبہ احسان مندی کے تحت  
وہ ہمہ وقت مصروف رہتی تھیں۔ کرنے کو کوئی کام نہ  
ہوتا تو می کے یا میرے کپڑوں پر کڑھائی ہی کرنے  
لگتیں۔ اور اتنی نفیس کڑھائی کرتیں کہ می کی انتہائی



بدواغ مغرور فرزند بھی بے اختیار پوچھ بیٹھتیں کہ یہ سوٹ کس بوتیک سے خریدا ہے؟

اور جب مئی حمزہ آپا کی طرف اشارہ کرتیں کہ میری بیٹی نے کڑھائی کی ہے تو جہاں ان کی فرزند کی آنکھوں میں حیرت اتر آئی وہاں حمزہ آپا کے چہرے پر رنگ سے اتر آتے جو انہیں مزید خوبصورت بنا دیتے۔

مگی کی بعض فرزند تو حمزہ آپا کو ان کی سگی بیٹی ہی سمجھتی تھیں اور مگی نے بھی ان کی تردید نہیں کی تھی۔

حمزہ آپا ہر فن تو نہیں لیکن پچاس ساٹھ فن مولا تو ضرور تھیں۔

اور اب حمزہ آپا چلی گئی تھیں تو سب ہی انہیں یاد کرتے تھے حتیٰ کہ فضل داد اور تبو شبو بھی دن میں کوئی تین چار بار تو ضرور حمزہ آپا کو یاد کرتے ہیں اور کیا ہی اچھا ہوا اگر حمزہ آپا غنی بھائی سے شادی کرنے پر راضی ہو جائیں اور ہمیشہ کے لئے اس گھر میں آجائیں۔

مگی کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی تھی۔ گیس ٹریل تھا۔ لیکن انہوں نے واویلا مچا دیا کہ ہارٹ اٹیک۔ حالانکہ ای سی جی اور دوسرے تمام میسٹروں سے پتا بھی چل گیا تھا کہ کیس ٹریل ہی ہے۔ لیکن مگی نے ڈاکٹروں کی بات ماننے سے صاف انکار کر دیا تھا۔

”ڈاکٹرز کو کیا پتا۔ میں جانتی ہوں کہ مجھے دل کی تکلیف ہے۔“ مگی نے فیصلہ سنا دیا۔

”اور اب میں غنی کو دیکھے بغیر مر جاؤں گی۔ اف اتنے برس ہو گئے اس سے بچھڑے۔“

”ایک سال کی تو بات ہے آجائے گا۔“

ڈیڈی نے ہر ممکن طریقے سے انہیں سمجھانے کی کوشش کی۔ لیکن مگی نے تو ان کی کوئی بات بھی سمجھنے سے انکار کر دیا تھا۔

اور مجبوراً ”غنی بھائی کو اپنا ایک سمسٹر ڈراپ کر کے آنا پڑا۔“

اور ان کے آنے کے بعد نہ صرف یہ کہ مگی ٹھیک ہو گئیں بلکہ انہیں ڈاکٹروں کی اس بات پر بھی یقین آ گیا۔ کہ انہیں واقعی گیس ٹریل ہے۔

غنی بھائی کے آنے سے بہت رونق ہو گئی تھی۔ مولیٰ بھی کا کول سے آگیا تھا۔ اور غنی بھائی نے وعدہ کیا تھا کہ وہ اس کی پاسنگ آؤٹ پریڈ تک رک جائیں گے۔

حمزہ آپا کی عادت تھی کہ وہ صبح سویرے اٹھتی تھیں۔ نماز پڑھتیں پھر لان میں چہل قدمی کرتیں اور کچن میں جا کر چائے بنا تیں۔ خود ٹینین ڈیڈی کے لئے بھجواتیں۔

بقول مولیٰ کے ان کی عادات اچھی خاصی بگڑی ہوئی تھیں اور مولیٰ کی بارہا وارننگ کے باوجود بھی انہوں نے ان بگڑی عادات کو سنوارنے کی کوئی کوشش نہیں کی تھی۔ الٹا صبح سوئی اور مولیٰ کو بھی جگا دیتیں۔ شروع شروع میں تو وہ خاصا واویلا مچا کرتے تھے لیکن پھر حمزہ آپا کے اٹھانے پر اٹھ جاتے اور کسی نہ کسی طرح سوئے جاتے نماز پڑھ کر پھر بستر میں گھس جاتے۔

جب سے مولیٰ کا کول گیا تھا۔ اسے تو خیر جلدی اٹھنے کی عادت ہو گئی تھی لیکن سونے اسی طرح اٹھنے کا چور تھا۔ دن بھر میں باقی نمازیں پڑھیں نہ پڑھیں لیکن حمزہ آپا کے طفیل ہم تینوں ہی صبح کی نماز پڑھنے لگے تھے۔

اس روز بھی حمزہ آپا مجھے جگا کر سونے کو جگانے لگی تھیں۔ مجھے چائے پینے کا بالکل شوق نہیں تھا اور خاص کر صبح سویرے یعنی بیڈی تو سیدھی میرے دل پر جا کر لگتی تھی۔ لیکن اس دن میرا سر بہت بو جھل ہوا رہا تھا۔ اور میں حمزہ آپا کے پیچھے آئی تھی تاکہ انہیں کہوں کہ وہ میرے لئے بھی ایک کپ چائے بنا دیں۔ لیکن میں دروازے کے پاس ہی ٹھنک کر رک گئی۔

حمزہ آپا نے سونے کی چادر کھینچی تھی جسے وہ سر تک لپیٹے ہوئے تھا۔

”اٹھ جائیں وکیل صاحب! صبح ہو گئی ہے۔“ اور پھر ایک قدم پیچھے ہٹ آئی تھیں۔ سونے کے بیڈ پر غنی بھائی سو رہے تھے۔ غالباً ”وہ رات یہاں ہی باتیں کرتے کرتے سو گئے تھے اور سونے مولیٰ کے

بیڈروم میں چلا گیا تھا۔  
”سوری۔“

ہمت ہی مصوفیت ہو گئی۔  
20 اپریل 1990ء

مونہ ہر روز کوئی نہ کوئی پروگرام بنالیتا ہے۔ مجھے اتنے دن سے اس نے یونیورسٹی بھی نہیں جانے دیا۔ ہر وقت کوئی نہ کوئی ہنگامہ، شور و غل بلکہ اکثر تو وہ می اور ڈیڈی کو بھی تھکھٹ لیتا ہے اور میں رات کو جب کمرے میں آتی ہوں تو اس قدر تھک جاتی ہوں کہ پھر ڈائری لکھنے کی ہمت ہی نہیں ہوتی اور بیڈ پر گرتے ہی ”گھڑس“ ہو جاتی ہوں اور صبح اٹتے ہی مجھے حمزہ آیا کا خیال آتا ہے کہ وہ تو چاہے رات کے ایک بجے بھی کمرے میں آئیں تو ڈائری ضرور لکھتی تھیں۔ جب میری ان سے خاصی دوستی ہو گئی تھی تو میں اکثر ان کے کمرے میں ہی سو جاتی تھی اور میں نے کئی بار دیکھا تھا ”انتہائی تھکن کے باوجود ڈائری لکھتے ہوئے ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ اور آنکھوں میں چمک سی ہوتی تھی۔“

اور مجھے اتنے دنوں بعد آج موقع ملا ہے ڈائری لکھنے کا، وہ بھی اس لئے کہ مونہ اور سولی اپنے کسی دوست کے ہاں ڈنر میں گئے ہیں۔ خیر دو تین دن بعد تو مونہ چلا ہی جائے گا اور سولی بھی شاید کراچی چلا جائے کیونکہ وہ مصباح سے وعدہ کر کے آیا ہے کہ وہ جلدی آئے گا تب فراغت ہوگی تو باقاعدگی سے لکھوں گی۔ چاہے لکھنے کے لئے کچھ بھی نہ ہو۔ شروع شروع میں تو میں نے حمزہ آپا کی تقلید میں ڈائری لکھنا شروع کیا تھا لیکن اب مجھے خود بھی ڈائری لکھنا اچھا لگنے لگا ہے۔ حالانکہ میں اپنے سے زیادہ حمزہ آپا کی باتیں لکھتی ہوں۔

24 اپریل 1990ء

اور آج مونہ سیاچن چلا گیا ہے اس قدر ادا سی ہے گھر میں۔ سولی بھی آج نہ تو کورٹ گیا ہے نہ جیمبر۔ ڈیڈی بھی جلدی ہی آفس سے آگئے تھے اور می نے آج ویمن کلب کا انتہائی امپورٹنٹ ڈنر مس کر دیا ہے۔ مونہ بھی ایک ہی ہے۔ جب وہ چھٹی لے کر آیا تھا تو اسے پتا تھا کہ اسے سیاچن جانا ہے۔ لیکن اس نے ذکر تک نہیں کیا تھا۔ وہ یہ سارے دن ہنسی خوشی گزارنا چاہتا تھا اور ظاہر ہے اس کے سیاچن جانے کا

حمزہ آپا نے معذرت کی۔ غشی بھائی اٹھ کر بیٹھ گئے تھے اور اب بس سڑ میٹھے بغیر ملک بھیکے انہیں دیکھ رہے تھے۔

”باؤ بیوٹی فل اینڈ انوسینٹ بو آر۔“ کتنی معصوم اور کتنی خوب صورت۔  
”میں سمجھی سولی ہے۔“

حمزہ آپا معذرت کر کے پلیٹس تو انہوں نے جھپٹ کر ان کی کلائی پکڑ لی۔ شاید کیوڈ نے اپنا کام کر دیا تھا۔ لیکن حمزہ آپا کو شاید ان کا یہ مغربی اسٹائل کچھ پسند نہیں آیا تھا۔ سو ایک دم ہی سرخ ہوتے چہرے کے ساتھ وہ کلائی چھڑا کر پلٹ آئی تھیں میں پیچھے ہٹ گئی۔ اور جب وہ باہر آئیں تو میں نے غور سے انہیں دیکھا۔

سفید دپٹا پیشانی تک، دھلا دھلا، نکھرا نکھرا چہرہ کلائی رنگت میں پاکیزگی کی روشنی سی۔ اور اگر وہ غشی بھائی کو بیوٹی فل اور انوسینٹ لگی تھیں تو کچھ غلط بھی نہیں تھا۔

ایک بار میں نے می سے کہا تھا۔  
”ممی! حمزہ آپا کے چہرے پر کتنی چمک اور تازگی ہے۔ حالانکہ نہ وہ کوئی گریس وغیرہ لگاتی ہیں اور نہ کوئی فیشل وغیرہ کروانے کی بارگاہی جاتی ہیں۔“  
”در اصل بیٹا جی۔! یہ چمک اس لئے ہے کہ وہ پانچ وقت وضو کرتی ہیں اور نماز پڑھتی ہیں۔“

میرا خیال ہے، سارا بیٹھ اسی یہاں پڑ گیا تھا۔ اگر اس روز غشی بھائی حمزہ آپا کی کلائی پکڑ کر یوں تعریف نہ کرتے تو۔ لیکن یہ بات اب میں سولی کو تو نہیں بتا سکتی۔ چاہے لاکھ ہم میں بے تکلفی ہو اور می کے ٹوکنے کے باوجود میں انہیں سولی اور مونہ ہی کہہ کر بلاتی ہوں۔

خدا جانے میرے فون رکھنے کے بعد مونہ نے سولی سے کیا کہا تھا کہ وہ اسی رات کی فلائیٹ سے واپس آ گیا تھا۔ حالانکہ وہاں مصباح بھی تھی جس سے وہ پورے دو سال بعد ملا تھا اور سولی کے آنے کے بعد سے تو جیسے



سن کر سب ہی اداس ہو جاتے اور وہ اتنی بھرپور چھٹیاں نہ گزار پاتا۔

”دراصل میں آپ سب کے ساتھ بہت یادگار دن گزارنا چاہتا تھا۔ اگر تیار رہتا تو۔“

اس نے میری ناراضی پر وضاحت کی تھی۔

تب ہی تو سولی بھی کراچی سے بھاگا چلا آیا تھا۔ ورنہ میں بھی حیران بھی کہ آخر سولی مصباح کو چھوڑ کر کیسے آگیا۔

جانے سے دو دن پہلے جب ہم سب لان میں چائے پی رہے تھے اس نے اعلان کیا۔ ”حزہ! آپ سب نے یہ سنی ہوگی۔“  
”یہ یکا یک حمزہ سے ملنے کا کیا شوق چرایا ہے۔“  
خواجہ انا لبا سفر کرو گے۔“

”جی چاہ رہا ہے مئی۔۔۔ اور پھر کتنے ہی سال ہو گئے ہیں ہمیں گاؤں گئے ہوئے آخری بار دادا کی ڈلتھ پر گیا تھا اور تب میں کوئی یہی تیرہ سال کا تھا۔“  
سولی نے وضاحت کی۔

”تو اب وہاں ہے ہی کون نہ دادا نہ دادی۔ ایک تمہاری پچھو تھیں وہ بھی چھ سات سال سے کراچی میں سیٹل ہو گئی ہیں۔ جب سے سیف اللہ کو وہاں جاب ملی ہے بلکہ اب تو سیف اللہ نے بتایا تھا کہ وہ بہت جلد اپنا ذاتی گھر لے رہا ہے وہاں۔ بلکہ جب وہ یہاں آیا تھا سودا کر چکا تھا۔ اور گاؤں والا گھر فروخت کرنے ہی آیا تھا۔“

”مئی! آپ بھی ساتھ چلیں۔“ سولی کو ہمیشہ ہی موقع پر سوچتی تھی۔

”اور حمزہ آیا کو عفی بھائی کے لئے مانگ لیں۔“  
”ہاں حمزہ آیا اتنی اچھی ہیں اور اتنی پیاری اور پھر عفی بھائی بھی انہیں پسند کرتے ہیں۔“ میں نے بھی سولی کی تائید کی۔

”مئی۔“ سولی بہت غور سے انہیں دیکھ رہا تھا۔  
”کیا حمزہ آیا آپ کو بحیثیت ہو پسند نہیں ہیں۔ کیا آپ کے خیال میں وہ مالی لحاظ سے ہمارے ہم پلہ نہیں ہیں۔“

”حمزہ آیا آپ کی مسز ہدانی کی اس پر کئی کبوتری سے تو کروڑا درجہ اچھی ہیں۔“

سولی مسز ہدانی کی بیٹی سے بہت جڑا تھا، دراصل ایک سال پہلے اس نے سولی کو اسیر کرنے کی بے۔۔۔ کوشش کی تھی۔ صبح و شام فون کرتی کسی نہ کسی بہانے چیمبر پہنچ جاتی۔ مگر سولی بھی ایک کائیاں تھا۔ بلکہ سولی سے زیادہ مصباح کی گرفت مضبوط تھی سولی کے دل پر، لہذا سولی سے یابوس ہو کر وہ آج کل سولی کے چیمبر میں بیٹھنے والے ایک اور وکیل پر مہمان ہو رہی تھی۔

”ہمیں یہ بات نہیں کہ مجھے حمزہ پسند نہیں ہے بلکہ کچھ اور مسئلہ ہے۔“

”کیا ان کی منگنی کہیں اور ہو چکی ہے۔“

”شاید نہیں۔ دراصل۔“ مئی مسکرائی۔

”مجھے خود حمزہ بہت عزیز ہے اور مجھے خوشی ہے کہ مخفی نے اسے پسند کیا ہے۔“  
”ہرا۔“ سولی نے نعرہ لگایا۔

”ہماری مئی گرےٹ ہیں۔ ہمارے طبقے کی ساری میموں سے مختلف۔ ورنہ میں تو ڈر رہا تھا کہ کہیں کوئی سوشل اسٹینڈ کا مسئلہ وغیرہ تو آپ کو پریشان نہیں کر رہا۔“

”دراصل اس کا باپ عجیب سا شخص ہے۔ اس سے کچھ بھی بعد نہیں کہ وہ صاف انکار کر دے اور حمزہ پر الزام لگا دے کہ اس نے عفی کے ساتھ چکر چلایا تھا۔ میرا خیال تھا کہ عفی آجائے تو طریقے سے جا کر بات کروں اس طرح کہ اسے گمان تک نہ ہو کہ عفی حمزہ سے مل چکا ہے۔“

دراصل مئی کا بھی جواب نہیں اور ان کی پلاننگ بھی ہمیشہ غضب کی ہوتی ہے۔ یقیناً انہوں نے دل ہی دل میں کوئی پلاننگ کر لی ہوگی۔

”دیکھو وہاں محتاط رہنا۔“ مئی نے جانے سے پہلے تاکید کی تھی۔

”کیس معاملہ بگاڑی نہ دینا۔ ٹیڑھا سا بند ہے۔ خدا کرے وہ گھر پر ہی نہ ہو۔ ویسے تم نہ ہی جاتے وہاں تو بہتر تھا۔“ مئی بڑی فکر مند ہو رہی تھیں۔

”کنیز فاطمہ کو تو اس نے ساری زندگی پاؤں کی جوتی سے بھی حقیر جانا۔ پتا نہیں بچیوں سے کیا سلوک کرتا

ہے۔ بچیاں بھی تو خدا نے فراخ دلی سے دی ہیں۔ ایک نہ دو پوری آٹھ بیٹیاں ہیں۔ بیٹوں کی چاہ میں ایک کے بعد ایک۔“

اور اس روز پہلی بار ہمیں پتا چلا کہ حمزہ آیا آٹھ نہیں ہیں اور بھائی کوئی بھی نہیں۔ حمزہ آیا کا گھر میں دوسرا نمبر ہے۔ بڑی بین غنبر ہے۔ جس کی کم عمری میں ہی شادی کر دی گئی تھی۔ حیرت کی بات بھی کہ حمزہ آنے ان چار سالوں میں بھی اپنے گھریا گھروالوں کا ذکر نہیں کیا تھا۔ حالانکہ وہ ہمارے گھر کا ہی ایک فرد بن چکی تھیں۔

راستے میں ہمیں نے مولیٰ سے کہا۔

”کس قدر خود غرض ہیں ہم۔ یعنی چار سال حمزہ آیا ہمارے ہاں رہیں اور ہم نے بھی یہ پوچھا ہی نہیں ان سے۔ کہ ان کو بھی کچھ الجھن یا پریشانی ہو سکتی ہے۔“

”ہاں واقعی۔“ سولی کو میری بات سے سولی صد اتفاق تھا۔

”خیر، جب وہ عفی بھائی کی دلہن بن کر ہمارے گھر آجائیں گی تو تم روایتی منہ نہ بننے کا ثبوت دے کر اپنی سابقہ خود غرضیوں کی تلافی کر دینا۔“

”ویسے آپس کی بات ہے۔“ سولی کو ہمیشہ انوکھی بات کر کے مسہنس پھیلانے کی عادت تھی۔

”کیا؟“ ”حمزہ آیا اور عفی بھائی کا کپل کچھ ناموزوں سا لگتا ہے۔“

”تو کیا تمہارا اور حمزہ آیا کا کپل موزوں ہے۔“ مولیٰ کو بلا سوچے سمجھے بولنے کی عادت تھی اور اتنا عرصہ کا کول میں ٹریننگ لے کر اور لیفٹیننٹ کا رینک کندھے پر سجا کر بھی اس کی یہ عادت ہمیں گئی تھی۔

”ہاں موزوں بھی ہو سکتا تھا، بشرطیکہ تمہاری خالہ زاد معینہ خاتون پہلے ہی اس دل پر حملہ آور نہ ہو چکی ہوتیں۔ اب اس ماراج شدہ سلطنت میں حمزہ آیا اگر کیا کریں گی۔“ اس نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔

”جی تو یہ ہے کہ حمزہ آیا اور سیف اللہ آخر کا کپل بڑا

جتا ہے۔“ ”ہاں بھئی، کموار تو حمزہ کے ہاتھ میں ہی بختی ہے۔“ مولیٰ نے تقمہ لگایا لیکن میرا دل جیسے ایک لمحہ کو ڈوب سا گیا۔

”افسوس باتیں نہیں کرو، بس حمزہ آیا ہماری بھالی بنیں گی، ہمارے عفی بھائی کی دلہن۔“

سیف اللہ آخر میری اکلوتی پھپھو کے اکلوتے فرزند ہیں۔ ان کے والد یعنی ہمارے پھوپھا اس وقت اللہ میاں کو پیارے ہو گئے تھے جب سیف اللہ آخر یعنی سیفی بھائی صرف سال بھر کے تھے اور پھپھو نے ایک سیفی بھائی کی خاطر ساری جوانی بیوگی میں کاٹ دی تھی۔ حالانکہ بقول مئی کے خاندان میں ہی کئی رشتے موجود تھے اور ان کے میاں اللہ انہیں جنت نصیب کرے پیچھے ایک گھر کے سوا کچھ نہیں چھوڑ کر گئے تھے سب کچھ اپنی شاہ خرچیوں اور سخاوتوں میں ضائع کر دیا۔ اور جو بچا وہ بھائی لے اڑے۔

دادا نے اپنی زندگی میں تو پوتے اور بہو کا بہت خیال رکھا تھا۔ لیکن ان کی وفات کے بعد چچاؤں نے سیفی بھائی اور پھپھو کو اتنا اچھا نہیں رکھا ہوا تھا۔

حالانکہ ڈیڈی، دادا اور دادی نے بہت چاہا تھا کہ پھپھو ان کے پاس آجائیں لیکن پھپھو نہ مالی تھیں اور بعد میں سیف اللہ کے چچا سے دادا کی کوئی بات ہو گئی تھی اور انہوں نے پھپھو اور سیفی بھائی کا آنا بالکل بند کر دیا تھا۔ سو میں نے اپنے ہوش میں پہلی بار سیفی بھائی کو پچھلے سال اس وقت دیکھا تھا جب وہ گاؤں کا گھر فروخت کرنے آئے تھے چونکہ اب وہ اپنے پیروں پر کھڑے ہو چکے تھے اور پھپھو کو وہ اپنے ساتھ ہی کراچی لے جا چکے تھے لہذا انہیں چچا کی مخالفت کی کوئی پروا نہیں رہی تھی۔ اور وہ ڈیڈی اور مئی سے ملنے چلے آئے تھے۔

پھپھو اتنے عرصہ بعد بھائی کے گھر آئی تھیں سو ڈیڈی نے بے جا اصرار پر وہ ادھر ہی رک گئی تھیں اور گاؤں میں کام وغیرہ سے فارغ ہو کر سیفی بھائی بھی ادھر ہی آگئے تھے۔ انہوں نے ایک ماہ کی چھٹی لے رکھی تھی اور وہ تقریباً ”پچیس دن ہمارے ہاں رہے تھے۔“



اس نامعلوم حینہ سے حسد محسوس ہوا۔ اور مجھے سونی کی اس عادت پر غصہ آتا رہا کہ وہ ایک بات ادھوری چھوڑ کر دوسری بات شروع کر دیتا ہے۔ اور جہاں بات "اکڑ بکڑ" کی ہو وہاں تو فوری فصاحت کے دریا بہا دیتا ہے۔

"اکڑ بکڑ" - "خالفتا" اس کی اپنی اصطلاح ہے جب کسی کا حدود اور بعض مشکوک ہو تو وہ اس کے لئے اکڑ بکڑ کی اصطلاح استعمال کرتا تھا اور ہم سب خصوصاً میں اور سونی اس کی تمام اصطلاحوں کو جانتے تھے اس نے بے شمار ایسے ہی اوٹ پٹانگ لفظ ایجاد کر رکھے تھے جو غالباً اردو کی کسی لغت میں موجود نہ تھے اب تو خیر حمزہ آیا بھی اس کے کوڑو روڈ بہت حد تک جان چکی تھیں۔

لیکن سیفی بھائی کے لئے یہ تمام الفاظ نئے تھے چنانچہ ان کے استفسار پر وہ "اکڑ بکڑ" کا قصہ بھول کر انہیں اپنی لغت سے روشناس کرانے لگا۔ اور سیفی بھائی کے ہونٹوں پر مسلسل مسکراہٹ رقص کرتی رہی۔ اور اس روز میں نے محسوس کیا اس سنجیدہ شخص کے چہرے پر مسکراہٹ بہت جیتی ہے۔

مجھے سنجیدہ سے سیفی بھائی بہت اچھے لگے تھے اور مجھے افسوس ہوا تھا کہ وہ اتنا عرصہ بعد ہمارے گھر کیوں آئے۔ جب کہ بقول سونی کے وہ ہماری اکلوتی پھوپھو کے اکلوتے صاحبزادے ہیں اور انہیں بہت پہلے ادھر آ جانا چاہیے تھا۔

بس سیفی بھائی مجھے اچھے لگتے تھے اور وہ حقیقتاً اچھے بھی تھے پھر بھی پتا نہیں کیوں مجھے حمزہ آیا کے ساتھ سیفی بھائی کا نام کیوں پسند نہیں آیا تھا شاید میں چاہتی تھی کہ حمزہ آیا میری ہی بھالی بنیں۔

"چلو بھئی" اب یہ اپنے چہرے کے زاویے صحیح کر لو۔ "سونی عقب نما آئینے میں مجھے دیکھ رہا تھا۔ "غلطی ہو گئی بابا! کان پکڑتا ہوں" اس نے ایک ہاتھ سے اسٹیرنگ سنبھالتے ہوئے دوسرے ہاتھ سے کان پکڑا۔

"آپ کی حمزہ آیا آپ کے علاوہ کسی اور کی بھالی بن ہی نہیں سکتیں۔"

سونی اور سونی حسب معمول ان سے فوراً ہی بے تکلف ہو گئے تھے بلکہ سونی نے تو جھٹ شکوہ کر ڈالا تھا کہ اتنے سالوں سے وہ ادھر کیوں نہیں آئے تھے۔

سیفی بھائی کی شخصیت بڑی پرکشش تھی۔ سانولا رنگ اونچا لمبا قد، بڑی بڑی بے حد خوبصورت آنکھیں جن میں بلا کی چمک تھی۔ کشادہ پیشانی۔ کچھ کم گو سے تھے، کم بولتے تھے لیکن جب بولتے تو میں ان کی آواز کے سحر میں کھو سی جاتی تھی۔ اتنی خوبصورت دل میں اتر جانے والی آواز میں نے پہلے کبھی نہیں سنی تھی۔ حالانکہ سونی کو اپنی آواز پر برہانمان تھا۔

"لڑکیاں تو میری آواز پر مرتی ہیں۔ اگر کبھی غلطی سے کہیں رنگ نمبر مل جائے تو اس طرح چپک جاتی ہیں جیسے کھیاں شیرے کے ساتھ۔ جان ہی نہیں چھوڑتیں۔ مگر آپ کی آواز سیفی بھائی! سچ سچ بتائیے کتنوں کا خون آپ کی گردن پر ہے؟"

"شاید ایک کا بھی نہیں ہاں میرا خون کسی کی گردن پر ہو سکتا ہے۔" انہوں نے کن اکھیوں سے حمزہ آپا کی طرف دیکھا تھا۔

"کون ہے وہ حینہ ماہ جبینہ جس کی گردن پر آپ کا خون متوقع ہو سکتا ہے؟ اگر کوئی اتنا پتا نام و نشان معلوم ہو تو اس مستقبل کے جیالے مجاہد کو بتائیے تاکہ حفاظتی اقدامات کر سکے۔"

اور حمزہ آپا کو اچانک یاد آ گیا کہ وہ کافی بنانے جا رہی تھیں۔

"ارے ارے حمزہ آیا! آپ کہاں چلیں؟۔" سونی نے لپک کر انہیں روک لیا۔

"آپ بیٹھیں نا۔ میں ایک بڑا زبردست قصہ سنانے والا ہوں، یار وہاں ایبٹ آباد میں کیا طرح دار حینہ دیکھی ہے پوری "اکڑ بکڑ" ہے۔"

وہ بتانے لگا اور سیفی بھائی اس کی بات کا جواب دینے سے بچ گئے حالانکہ مجھے کئی دن تک تجسس رہا کہ وہ حینہ ماہ جبینہ کون ہے جس کی گردن پر سیفی بھائی کا خون متوقع ہو سکتا ہے۔

یقیناً بہت خوبصورت ہوگی، دل ہی دل میں مجھے

”اور یہ کہ۔“ مونی نے لقمہ دیا۔

”حزہ آیا اور غنی بھائی کا کپل بہت شاندار ہے۔“

”میں نے کمزور آواز میں کہا، حالانکہ بہت ججلے

ہونے کے باوجود ہوتا نہیں کیوں اندر سے مجھے بھی غنی

بھائی حزہ آیا کے لئے موزوں نہیں لگے تھے۔ ایک

مشرق، دوسرا مغرب، ایک پورے کے پورے انگریز

دوسری سر تیا کی مسلمان۔

خیر جب حزہ آیا کی غنی بھائی سے شادی ہو جائے گی تو پھر

غنی بھائی بھی ان کے جیسے ہی ہو جائیں گے۔ آخر حزہ

آیا میں اتنی صلاحیت تو ہے تاکہ وہ ان کو اپنے رنگ میں

رنگ لیں۔

میں نے خود کو مطمئن کیا اور گنگنا نے لگی۔

چھاپ تلک سب چھین لیو موسے فیئنا ملائی

حزہ آیا ہمیں دیکھ کر حیران رہ گئیں۔ وہ اپنے بڑے سے

گھر کے بڑے سے صحن میں کھڑی بقول مونی کے ہمارا

ہی انتظار کر رہی تھیں۔

”اگر آپ ہوش کی دنیا میں واپس آجائیں تو ہم

وضاحت کریں کہ ہم اسی دنیا سے آئے ہیں، عالم بالا

سے نہیں۔“ مونی نے ان کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ

لہرائے تو وہ چونک کر مجھ سے لپٹ گئیں۔

”جی راتم۔ تم سب مجھے بہت یاد آتے تھے بہت

زیادہ اور میں سوچتی تھی۔ شاید تم سب مجھے بھلا دیا

ہوگا۔“ ان کی آواز بھیگ گئی تھی لیکن چہرہ خوشی سے

دکھنے لگا تھا۔

”ہم نے آپ کو بھلا دیا، اس لئے یہاں تک پہنچ

گئے، اور آپ نے ہمیں یاد رکھا تب ہی آگئیں۔ بے

وفا کون ہوا، آپ یا ہم۔“ سونی نے کہا تو انہوں نے

مجھے الگ کرتے ہوئے ان دونوں کی طرف دیکھا۔

”میں۔ میں کیسے آئی۔“ عجیب بے بسی تھی ان

کے لہجے میں ”اب کیا جواز تھا وہاں جانے کا۔“

”حزہ آیا! آپ تو یہاں آکر اور بھی خوبصورت ہو

گئی ہیں۔“

میں نے ان کے کان میں سرگوشی کی تو ان کے

رخساروں پر بکھرا گلابی رنگ گہرا ہو گیا اور وہ ادنیٰ آواز

میں پکارنے لگیں۔

”امی! امی! دیکھیں کون آیا ہے، خططلہ، فاکہہ کہاں

ہو بھی؟ مسمان آئے ہیں۔“

اور تھوڑی دیر بعد ہی مختلف کونوں کھدروں سے حزہ

آپا کی چھ عدد بہنیں اور امی آگئیں۔

وہ سب کی سب پیاری تھیں، نازک دلی پتلی اور

خوبصورت سی، سب سے چھوٹی جو تقریباً ”چھ سات

سال کی تھی۔ بے انتہا خوبصورت تھی، مونی نے

فورا ”ہی ہا سے لیڈی ڈیانا کا خطاب دے دیا تھا اور وہ یہ

خطاب پا کر بہت خوش ہوئی تھی اور اس نے مونی سے

ایک دم دوستی کر لی تھی اور خوب باتیں کی تھیں۔

جب کہ باقی پانچوں شرابی تھیں، حزہ آیا نے سب کا

باری باری تعارف کروایا تھا۔ خالہ کینز فاطمہ بھی حزہ

آیا جیسی ہی تھیں اور غالباً ”ینگ ایج“ میں وہ بالکل حزہ

آپا کی طرح ہوں گی۔ لیکن اب وہ کچھ بیمار اور تھکی

تھکی لگتی تھیں اور ان کی آنکھوں میں عجیب طرح کا

دکھ رچا ہوا تھا اور اس حزن نے ان کی شخصیت کو بڑا

امیر سو بٹا دیا تھا۔ میں اپنے شعور میں پہلی بار گاؤں آئی

تھی۔ اور پہلی بار ہی ان سے مل رہی تھی۔ مونی اور

سونی کو تو انہوں نے فورا ”پہچان لیا تھا، حالانکہ وہ بھی

دادا کی ڈنٹھ کے بعد پہلی بار آئے تھے۔

”اُم تم یقیناً“ رہا ہوگی۔“ انہوں نے مجھے بے حد

پیار کیا تھا۔

”تمہاری ممی اور میں اگرچہ کزن تھیں لیکن ہم

میں بہت دوستی تھی۔“ وہ بہت دھیمے دھیمے لہجے میں

بولتی تھیں۔

”تب ہی آپ اکثر ممی سے ملنے تشریف لاتی رہی

ہیں۔“

مونی نے جانے کہاں سے طنزیہ گفتگو کرنی بھی سیکھ

لی تھی، یقیناً ”ناکول“ میں کسی ایسے ہی شخص سے اس

کی دوستی تھی جسے طنزیہ گفتگو کرنے میں کمال حاصل

تھا۔

”بس بیٹا! مجبوریاں۔“ انہوں نے کچھ اتنی دل

مر گفتگو سے کہا کہ وہ شرمندہ ہو گیا۔

”دوب مرو۔“ سونی نے اسے گھر کا۔



”مگر وہ تو کہہ رہے تھے، کل آؤں گا۔“ لیڈی ڈیانا نے بحث کی۔

”وہ ہمیشہ یونہی کہتے ہیں لیکن۔“ حمزہ آبانے بہت آہستگی سے کہا تھا لیکن میں نے سن لیا مگر کوئی تبصرہ نہ کیا۔

”تم لوگ کچھ دیر آرام کرو گے۔“ حمزہ آبانے کچھ دیر بعد پوچھا ”ایسا لگتا تھا جیسے وہ چاہتی ہیں کہ ہم لوگ زیادہ دیر نہ ٹہریں۔ بلکہ میں نے دو تین بار محسوس کیا تھا کہ باہر کا گیٹ کھلنے پر وہ کھبرا گئی ہیں شاید انہیں اپنے ابا کی آمد کا خوف تھا۔ غالباً وہ انتہائی سخت گیر قسم کے تھے۔“

”نہیں۔ بس ہم جائیں گے اب کافی لمبا سفر ہے۔“

مولیٰ بہت غور سے انہیں دیکھ رہا تھا اور شاید میری طرح اس نے بھی ان کی کھبراہٹ کو محسوس کر لیا تھا۔ اور میں نے دیکھا حمزہ آبا کے چہرے پر اطمینان سا بکھر گیا تھا۔

”ذرا دیر رکو۔ میں چائے بنا لاؤں۔“ ”نہیں چائے کا موڈ نہیں ہو رہا۔ ہاں اگر قہوہ مل جائے تو پلیز۔“

حمزہ آبا قہوہ بنانے چلی گئیں تو لیڈی ڈیانا نے ہمیں اپنا گھر دکھانے کی دعوت دی۔ میں نے کوئی دیر سالی کھر اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا سو میں فوراً ”کھڑی ہو گئی۔ البتہ سولی اور مولیٰ وہیں بیٹھے رہے۔

حمزہ آبا کا گھر بہت بڑا تھا۔ بڑا سا کچا صحن، بڑا سا برآمدہ جس میں بڑے بڑے سرخ پالوں والے نواڑی پٹنگ پڑے تھے اور اس بڑے برآمدے کے عقب میں بڑے بڑے ہال نما کمرے تھے جن کی چھتیں بہت اونچی تھیں اور ان پر رنگین شیشوں کا کام کیا گیا تھا۔ فریج اور سامان سے پتا چلتا تھا گھر میں خاصی خوشحالی ہے۔ لیکن اس خوشحالی کے باوجود ایک اداسی کا غبار سا چھایا ہوا محسوس ہوتا تھا۔

”اور یہ حصہ آخر تایا کا ہے۔“

”خفطر نے برآمدے سے مڑتے ہوئے بتایا

”مگر یہ حصہ تو لاک ہے۔“

”دراصل ہمیں اس بات کا بے انتہاد کہہ ہوا ہے کہ ہم آج تک آپ سے ملے کیوں نہیں۔“ شرمندہ ہو کر اس نے وضاحت کی۔

حمزہ آبا ہمارے آنے سے بہت خوش ہوئی تھیں۔ ہم تقریباً بارہ بجے وہاں پہنچے تھے اور دو بجے تک انہوں نے اپنی پانچ عدد بہنوں کی مدد سے کھانے پر اچھا خاصا اہتمام کر ڈالا تھا۔

اندول کا حلوہ تو مولیٰ کو اس قدر پسند آیا تھا کہ اس نے حمزہ آبا سے فرمائش کر ڈالی تھی کہ باقی ماندہ حلوہ وہ انہیں ساتھ ہی پیک کر دیں۔

”پیو۔“ میں نے اسے چھیڑا تھا لیکن حمزہ آبا نے سچ بچ نہ صرف باقی ماندہ حلوہ پیک کر دیا بلکہ آلو اور قہیے کے کباب اور کچھ سلائس بھی رکھ دیئے۔

”لاہور پہنچتے پہنچتے دیر ہو جائے گی۔ راہ میں بھوک لگے گی، یہاں بھی تم نے بڑے تکلف سے کھایا ہے۔“

”اے اگر آپ تکلف سے کھانا کتے ہیں تو جانے بے تکلفی سے کیسے کھایا جاتا ہو گا۔“ سولی نے حیرت سے کہا۔

”ہاں جب کہ تم کھا رہے تھے تو میں سوچ رہا تھا کہ عین ممکن ہے کہ کل کے اخبارات میں یہ کسی قدر عجیب خبر چھپے کہ ایک شخص اور ڈائنٹے۔“ ”اب فضول آگے کچھ مت کہنا۔“ حمزہ آبا نے ذرا ہی مولیٰ کو ٹوک دیا۔

”ارے ہاں۔“ مولیٰ کو اچانک خیال آیا۔

”وہ آپ کے جنگجو قسم کے ابا نظر میں آئے، جن کے متعلق آنے سے پہلے ہمیں اچھا خاصا ڈرایا گیا تھا۔“

ہنسی ہوئی حمزہ آبا کا رنگ یکدم تیز و پڑ گیا اور لیڈی ڈیانا نے فوراً ”خوش ہو کر بتایا۔

”لایا تو غبر آبا کے گھر گئے ہیں ساہیوال، اب کل ہی آئیں گے۔“

”نہیں۔ آج ہی آجائیں گے شام تک۔“ حمزہ آبا نے بڑے یقین سے کہا۔

پھینچو کا بے حد خیال رکھتی تھیں اور تائی جی کہہ کر بلاتی تھیں اور اکثر جب وہ اسکی ہوتی تھیں تو ان کے پاس بیٹھی ہولے ہولے جانے کیا باتیں کر لیتی تھیں۔  
 ”یعنی کہ کمال ہے سیفی بھائی حمزہ آپا کے تایا زاد ہیں اور ہمیں خبر بھی نہیں۔“

اور جب یہ خبر میں نے مولیٰ اور سونی کو جا کر بتائی تو وہ یوں مسکرا دیئے جیسے وہ اس بات کو پہلے سے جانتے ہوں اور ایک میں ہی بے خبر ہوں جانے میں کیوں اتنی احمق اور بے خبر سی ہوں۔ جب ساری دنیا کو ایک بات کا پتا چل جاتا ہے تب کہیں جا کر مجھے وہ بات پتا چلتی ہے اور تب تک اس بات کی ویلیو ختم ہو چکی ہوتی ہے۔

تو وہ لی کر جب ہم جانے کے لئے تیار ہوئے تو مولیٰ نے حمزہ آپا سے کہا۔

”چلیے حمزہ آپا! سر پر ہاتھ پھیر کر عادیہ دیجئے کیا خبر پھر کبھی ملاقات ہو یا نہ ہو۔“

اور حمزہ آپا نے جو جیج اس کے سر پر ہاتھ رکھنے لگی تھیں ”ایک دم غور سے اسے دیکھا۔

”جیج بتاؤ مولیٰ! یہ اچانک چھ ماہ بعد تمہیں یہاں آنے کا خیال کیسے آگیا۔“

”ہائے جیتی دل۔“ وہ دل پر ہاتھ رکھ کر جھکا۔  
 ”آپ کو کیا خبر اس دل نے کیا اودھم مچا رکھا تھا

سننے کے اندر۔ صبح شام حمزہ آپا کی پکار جاری تھی۔ سو مجبوراً اس دن رات کے ہنگامے سے تنگ آکر ہم نے سوچا کہ آپ کے درشن کر ہی لئے

جائیں۔“  
 ”ادھر دیکھو میری طرف مولیٰ کے بچے اور جیج بتاؤ

کیا بات ہے۔“  
 ”کچھ نہیں۔“ مولیٰ نے نظریں چرائیں۔

”مولیٰ! میں لحاظ نہیں کروں گی، کان کھینچ لوں گی سب کے سامنے۔“ میڈی ڈیانا اور فاکہ منہ چھپا کر

ہنسنے لگیں۔  
 ”دراصل۔“ مولیٰ نے میری طرف دیکھا۔

”میں دو روز تک سیاچن جا رہا ہوں سوچا کیا بھروسا ہے زندگی کا“ اپنی حمزہ آپا سے مل ہی جا میں۔“ میں

”ہاں آخر تایا کا انتقال تو ہماری پیدائش سے پہلے ہی ہو گیا تھا البتہ تائی اور سیفی بھائی ادھر ہی رہتے تھے پھر سیفی بھائی نے کراچی میں جا کر تائی کو وہ تائی کو بھی ساتھ ہی لے گئے بلکہ ابھی کچھ غرضت پہلے وہ اپنا حصہ فروخت کرنے آئے تھے لیکن اب انہیں فروخت نہیں کرنے دیا کہ غریبوں کو نہ لینے دے۔“

امی نے کہا۔  
 ”آپ لے لیں سیفی کو پیسوں کی ضرورت ہے۔“

”مگر آپا نے کہا میرے کون سے بیٹے بیٹھے ہوئے ہیں جو میں جائیداد میں اضافہ کرتا رہوں۔“

تو۔ تو۔ سیفی بھائی حمزہ آپا کے تایا زاد ہیں اور مجھے خبر ہی نہیں اور مجھے تو بہت ساری باتوں کا علم نہیں ہے۔ میں نے کبھی جاننے کی کوشش ہی نہیں کی۔

تب ہی۔ تب ہی تو اس روز جب سیفی بھائی پھینچو اور نجو چچا آئے تھے تو نجو چچا نے حمزہ آپا کا تعارف پھینچو سے بالکل نہیں کروایا تھا اور پھینچو نے بغیر

تعارف کے ہی گلے لگا کر خوب خوب پیار کیا تھا اور میں نے اس بات پر قطعی غور نہیں کیا تھا کہ پھینچو آخر

حمزہ آپا کو جانے بغیر آتا پیار کیوں کر رہی ہیں۔  
 ”یہ ہماری لٹھمن ہے گڈی۔“

نجو چچا نے میرے گرد باہیں حاصل کرتے ہوئے پھینچو سے کہا تھا ”تم نے تو جب اسے دیکھا تھا یہ بھابھی کی

گود میں تھی۔“  
 نجو چچا اب بھی مجھ سے بے تحاشا پیار کرتے ہیں۔

شادی کے بعد بھی اور زاراچی نے کبھی برا نہیں مانا وہ جب بھی آتے ہیں ہمیشہ کی طرح میرے لیے ڈھیروں

چیزیں لے کر آتے ہیں حالانکہ اب ان کی اپنی بھی دو پیاری پیاری بچیاں ہیں لیکن وہ دھڑلے سے کہتے ہیں

کہ راتو میری ”لٹھمن“ (لاڈلایا لاڈلی) ہے اور کوئی بھی اس کی جگہ نہیں لے سکتا اور پھینچو نے مجھے گلے لگا کر

پیار کیا تھا۔ تب ہی حمزہ آپا ہاں آگئی تھیں اور انہیں دیکھ کر پھینچو نے بے اختیار انہیں گلے لگالیا تھا اور

سیفی بھائی ہولے ہولے مسکرا کر اس میں دیکھ رہے تھے اور خود حمزہ آپا کے چہرے پر رنگ سے اتر آئے تھے اور

میں نے اس بات پر ایک دن بھی غور نہیں کیا تھا کہ وہ



ایک دم سن سی ہو گئی اور میرے اندر کوئی سیال سا بننے لگا۔

اور کس قدر گھٹنا ہو گیا ہے یہ مولیٰ بھی اتنے دن ہو گئے ہیں گھر آئے اور اس نے ذکر تک نہیں کیا۔

حزہ آیا بھی ایک دم چپ ہو گئی تھیں۔  
”خواتین۔“ مولیٰ نے حزہ آیا کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ ہلایا۔

”واپس آجائیں وہاں کوئی محاذ تو نہیں کھلا ہوا۔“  
”پھر بھی۔“

حزہ آیا اداس تھیں اور انہوں نے مولیٰ کو بہت ساری دعاؤں کے ساتھ حائل شریف خفے میں دیا تھا۔

راستہ بھر مولیٰ نے مجھے ہٹانے کی بہت کوشش کی لیکن مجھے اس کی کسی بات پر ہنسی نہیں آئی۔

”اور اگر میں آتے ہی بتا دیتا کہ میں سیاحین جا رہا ہوں تو تم سب لوگ پہلے ہی اداس ہو جاتے اور اتنے سارے یادگار اور خوشگوار دن کیسے گزرتے۔“

گھر آتے ہی میں نے می کو بتا دیا تھا اور میں نا بھی بتاتی تو بھی اب مولیٰ نے بتانا ہی تھا۔

میں بہت اداس ہو گئی تھیں بلکہ بہت روئی بھی تھیں۔ اور مولیٰ انہیں بھلا تا رہا۔

”لو بھلا اس میں رونے کی کیا بات ہے“ شہید ہو گیا تو آپ شہید کی ماں کہلائیں گی کیا فخر کا مقام ہو گا اور زندہ واپس آگیا تو غازی کی ماں۔“

مگر میں نے آنسو اس کے جانے تک نہیں رکے تھے۔ اور اب مولیٰ چلا گیا ہے تو کتنی اداسی ہے حالانکہ گھر میں سب ہی موجود ہیں۔ حتیٰ کہ نزی آپلی بھی مولیٰ کے جانے کا سن کر آگئی تھیں اور میں نے اداسی کے خیال سے رک گئی تھیں لیکن پتا نہیں کیوں میرا بھی دل بہت بوجھل ہو رہا ہے اور رونے کو جی چاہ رہا ہے۔ خدا

مولیٰ کو خیریت سے واپس لائے صحیح تو کہتا ہے وہ کہ وہاں کون سا محاذ کھلا ہے جو ہم پریشان ہو رہے ہیں۔ بس کبھی کبھار جھڑپ ہو جاتی ہوگی۔ انشاء اللہ مولیٰ کو کچھ نہیں ہو گا میرا دل کہہ رہا ہے۔

31 اپریل 1990ء

آج جب تک وقت دوا چھی باتیں ہوئیں۔ ایک تو مولیٰ

کا خط آیا ہے اور دوسرے حزہ آیا آئی ہیں۔ مولیٰ نے بہت مزے کا خط لکھا ہے پورے چار صفحات کا۔ میں نے اور حزہ آیا نے مل کر اس خط کو کوئی تین بار پڑھا ہے بلکہ ابھی سونے سے پہلے بھی میرا جی چاہا تھا کہ ایک بار پڑھ لوں، لیکن خط آئی لے گئی تھیں۔ میں بھی کبھی کبھالیں متوسط طبقے کی ماؤں کی طرح جی ہو کر لی ہیں۔ مولیٰ کا خط پڑھ کر وہ میں بھی اور ہمیں بھی حالانکہ مولیٰ کے خط میں رونے والی کوئی بات نہیں تھی۔ اس نے تو اتنے مزے مزے کی باتیں لکھی ہیں کہ خط پڑھتے ہوئے حزہ آیا بھی مسکرا رہی تھیں۔ حالانکہ جب وہ آئی تھیں تو مجھے لگا تھا جیسے وہ بہت اداس ہوں اور ان کا ہمیشہ تروتازہ نظر آنے والا چہرہ مرجھایا مرجھایا سا لگ رہا تھا۔

”کیا بات ہے حزہ آیا! آپ کچھ پریشان لگتی ہیں۔“ سونی فوراً ”ناؤ گیا تھا۔ آخر کو دیکھ لیں۔“

”نہیں تو بس سفر کی تکان ہے۔“ وہ مسکرا دی تھیں حالانکہ سفر تو وہ پہلے بھی کر کے آتی تھیں لیکن اتنی بڑھ کر کبھی دکھائی نہیں دیتی تھیں۔ وہ

بلک سروس کیشن کا پیپر دینے آئی تھیں۔ لیکن چار شپ ختم لے گئے۔

”تمہارے ابا نے اعتراض نہیں کیا؟“ میں نے پوچھا۔

”کیا تھا لیکن پھر مان گئے۔“

حزہ آیا از حد اداس لگ رہی تھیں اور مولیٰ کے لئے پریشان بھی جس نے صرف پینے کی اطلاع دی تھی اور پھر رابطہ ہی نہیں کیا تھا لیکن پھر مولیٰ کا خط آگیا اور ان کی اداسی دور ہو گئی۔ اور حزہ آیا نے بھی مولیٰ کا ایڈریس لے لیا تھا۔

”میں مولیٰ کو خط لکھوں گی۔ جب آدمی یوں اتنی دور اکیلا ہو تو اپنوں کے خط اس کا حوصلہ بلند کرتے ہیں۔“

حزہ آیا کل پیپر سے فارغ ہو کر چلی جائیں گی۔ حالانکہ میں نے اور سونی نے حتیٰ کہ میں نے بھی اصرار کیا ہے کہ وہ ہفتہ بھر رک جائیں۔ لیکن انہوں نے کہا ہے۔

”ای بیمار ہیں اور پھر غمزدار آپا بھی آج کل آئی ہوئی ہیں۔“

بے چارے فضل داد کا یہ سن کر کہ حمزہ آپا صرف ایک دن کے لئے آئی ہیں اتنا سہانہ نکل آیا تھا۔  
”لو میں نے سوچا آپا کچھ دنوں کے لئے سوئی بھیا کے طنزوں سے نجات مل جائے گی۔ صبح و شام اتنے طنز کرتے ہیں۔“

”چھائیہ کو لے گئے ہیں۔ میں بھیجا پتھر نہیں۔“  
”اور یہ نہاری پکی ہے۔ واہ کیا کمال کی شے ہے نہاری کم سو۔“

”پلاؤ کیا گئے۔ بھیا ایک ٹکٹ میں دو تماشے پلاؤ اور کچھ دی کا بیک وقت مزا اٹھاؤ۔“ بیوہ بہت ہنس رہی تھی۔

”تو فضل داد چاچا! حمزہ آپا اتنے سال یہاں رہیں، سیکھ لیتا تھا ان سے کھانا پکانا۔“  
”لو سو تو میں ہی پکا تا تھا۔“

سب کنگ ونگ تو میں کرتا تھا بس حمزہ آپا تو صرف چیخ ہلا کر داد وصول کرتی تھیں واہ بھئی واہ۔ فضل داد کاموڈ سخت آف تھا۔ تبو نے سلی دی۔

”خیر فکر نہ کرو، بیگم صاحبہ حمزہ آپا کو ہمیشہ کے لئے یہاں لانے کا پروگرام بنا رہی ہیں۔“  
”کیا؟“

”جی میں نے خود سنا تھا۔ وہ صاحب سے کہہ رہی تھیں کہ وہ جلد ہی جائیں گی گاؤں کنیر فاطمہ سے بات کرنے سے حمزہ کے لئے۔“ تبو کو کن سویا لینے کی انتہائی خراب عادت تھی۔ میں اس وقت فرج سے پانی لینے آئی تھی۔ اور ان کی باتیں سن کر مجھے بے انتہا خوشی ہوئی کہ ممی آنٹی کنیر فاطمہ سے بات کرنے جا رہی ہیں حمزہ آپا کے لئے۔ میں نے سوچا کہ حمزہ آپا کو بتاؤں کہ ممی انہیں مانگنے کے لئے گاؤں آ رہی ہیں، لیکن پھر میں نے حمزہ آپا کو کچھ نہیں بتایا کہ سربراہ زردیں گے اور میں نے دل میں سوچ لیا ہے کہ ممی جب گاؤں جائیں گی تو میں بھی ان کے ساتھ جاؤں گی۔

اور اگر حمزہ آپا نے انکار کر دیا تو؟ میرے دل میں خوف سا بھی ہے۔ کیونکہ یہ بات صرف مجھے پتا ہے کہ حمزہ آپا

عفی بھائی کو بالکل بھی پسند نہیں کرتی ہیں۔ اور ایک ناپسندیدہ شخص کے ساتھ زندگی گزارنا کتنا مشکل ہوتا ہے۔ گو مجھے اس کا تجربہ نہیں ہے لیکن میں اندازہ کر سکتی ہوں کیونکہ میں کسی ناپسندیدہ شخص کے پاس چند منٹ بھی نہیں بیٹھ سکتی مروا۔“ بھی نہیں۔ چہ جائیکہ زندگی گزاری جائے۔

تو یہ بات میرے لئے تھوڑی سی پریشانی کا باعث ضرور ہے کہ حمزہ آپا عفی بھائی کو بالکل پسند نہیں کرتی ہیں۔ مگر کچھ بھی میں چاہتی ہوں کہ حمزہ آپا کی شادی عفی بھائی سے ہی ہو۔ اگر سولی مصباح سے انجیج نہ ہوتا تو عمر میں حمزہ آپا سے کچھ چھوٹا ہونے کے باوجود اس کے لئے سوچا جاسکتا تھا لیکن وہ تو ممی نے بہت بچپن میں ہی مصباح پر نظر رکھ لی تھی اور خود سولی بھی۔

کاش، عفی بھائی وہ ساری فضول حرکتیں نہ کرتے جن کی وجہ سے حمزہ آپا ان کو ناپسند کرنے لگی تھیں، حالانکہ عفی بھائی کتنے اسماٹ، خوبصورت اور شاندار تھے۔ اور میں تو ان حرکتوں کی چشم دید گواہ ہوں دراصل قصور عفی بھائی کا بھی نہیں اس ماحول کا ہے جس میں وہ اتنے برسوں سے رہ رہے تھے۔ ڈیڈی نے خواہ مخواہ ہی انہیں باہر بھیجا۔

اس روز حمزہ آپا نہا کر آئی تھیں اور میں اور حمزہ آپا لان میں ٹہل رہے تھے۔ اور حمزہ آپا کے بے حد خوبصورت، لمبے اور جھکے بال کھلے تھے۔ حالانکہ وہ ہمیشہ لمبی سی چٹیا بنائے رکھتی تھیں۔ لیکن چونکہ ان کے بال کیلے تھے اور دوپٹا بھی انہوں نے اپنے مخصوص انداز میں لپیٹا ہوا نہیں تھا۔ اور وہ مجھے یونیورسٹی میں ہونے والے فنکشن کا احوال سن رہی تھیں۔ ممی اپنے ویمن کلب کی کسی میٹنگ میں گئی ہوئی تھیں اور سولی اپنے دوستوں کی طرف گئے تھے اور عفی بھائی غالباً ”سورہ“ تھے۔ تب ہی تبو نے مجھے آکر فارحہ کے فون کی اطلاع دی اور جب میں فون سن کر آئی تو عفی بھائی حمزہ آپا کے بالکل قریب کھڑے تھے۔ اور حمزہ آپا کا رنگ سرخ ہو رہا تھا۔

”حمی ڈیر! تم خواہ مخواہ ناراض ہو گئی ہو حالانکہ۔“  
”میں آپ سے پہلے بھی کہہ چکی ہوں کہ مجھے اس



میں نہیں آئی تھی کہ اگر می کو گاڑی کی ضرورت تھی تو جب وہ گھر سے نکل رہے تھے تو انہوں نے می کو کیوں نہ مسزہدانی کے ہاں ڈراپ کر دیا۔

لیکن چونکہ میں زیادہ گہرائی میں نہیں جاتی اور نہ ہی کسی بات پر اتنا زیادہ غور کرتی ہوں سو میں نے اس رزرا بھی غور نہیں کیا بلکہ شاید میں سیفی بھائی کو دیکھ کر کچھ خوش ہو گئی تھی۔

”تم لوگ شاپنگ کر کے تھک گئی ہوگی۔ کیا خیال ہے کچھ ریفریشرمنٹ نہ ہو جائے۔“ حمزہ آپا خاموش رہیں لیکن میں نے ان کی تائید کی۔

”ہم تھکے تو نہیں لیکن ریفریشرمنٹ میں کوئی حرج نہیں۔“

اپنے اور حمزہ آپا کے لئے لائم جوس اور میرے لیے آئس کریم کا آرڈر دیتے ہوئے انہوں نے پوچھا کہ کیا شاپنگ کی ہے۔

”کوئی خاص نہیں۔ بس میں نے شوز اور جرسی لینی تھی اور حمزہ آپا نے ڈائری۔“

”کیا تم اب بھی ڈائری لکھتی ہو حمزہ؟“

انہوں نے بہت اشتیاق سے پوچھا تھا اور میں نے ”اب بھی“ پر کچھ غور نہیں کیا تھا بلکہ حمزہ آپا کے بولنے سے پہلے ہی میں نے تفصیل بتادی تھی۔ کہ حمزہ آپا بڑی باقاعدگی سے ڈائری لکھتی ہیں۔ بقول مونی کے دنیا ادھر سے ادھر ہو جائے، حمزہ آپا ڈائری لکھنا نہیں بھولتیں۔

”اچھا ہوتا ہے ڈائری لکھنا۔ اپنا کتنا سس ہو جاتا ہے اور بہت ساری باتیں جو ہم کسی سے نہیں کہہ سکتے بلکہ بعض اوقات اپنے آپ سے بھی نہیں وہ ہم ڈائری میں لکھ سکتے ہیں۔“

ان کا لہجہ اتنا خوبصورت تھا۔ ٹھہرا ٹھہرا گہیر سا کہ میں تو بس لہجے کے سحر میں ہی کھو جاتی تھی اور میں نے کبھی معنی پر غور ہی نہیں کیا تھا۔ ورنہ مجھے پہلے ہی پتا چل جاتا کہ سیفی بھائی نے جواب بھی کہا ہے تو ان کو پہلے سے پتا ہے کہ حمزہ آپا ڈائری لکھتی ہیں اور یہ کہ مجھے تو وہ آپ کہہ کر بلاتے ہیں اور حمزہ آپا کو تم، حالانکہ میں حمزہ آپا سے چھوٹی ہوں اور یہ کہ انہوں نے حمزہ آپا سے

طرح کی گفتگو قطعاً پسند نہیں ہے۔“

”مگر می۔ انہوں نے خود ہی حمزہ آپا کا نام مختصر کر لیا تھا۔ تمہیں خود خبر نہیں ہے کہ تمہارا جسم کس قدر خوبصورت ہے۔“ تب ہی حمزہ آپا کی نظر مجھ پر پڑ گئی۔

”رہا آرہی ہے۔“

”تو۔“

وہ بہت پر شوق نظروں سے حمزہ آپا کو دیکھ رہے تھے۔ SHE IS A YOUNG اور وہ سمجھتی ہے۔ مگر حمزہ آپا ان کی بات کا جواب دیے بغیر میری طرف برہم آئی تھیں۔

”رہا! میں اپنے کمرے میں جا رہی ہوں۔ مجھے بہت ضروری نوٹس دینا ہے۔“

اور غمی بھائی ان پر نظریں جمائے انہیں دیکھتے رہے اور مجھے ان کا اس طرح حمزہ آپا کو دیکھنا اچھا نہیں لگا۔ دیکھتے تو سیفی بھائی بھی حمزہ آپا کو تھے، ان کی آنکھوں میں ستائش ہوتی تھی اور وہ حمزہ آپا کی ہر بات کو سراہتے بھی تھے لیکن وہ اس طرح حمزہ آپا کو نہیں دیکھتے تھے جیسے غمی بھائی، غمی بھائی کی آنکھوں میں عجیب سی چمک اور بے باکی ہوتی تھی۔ جیسے وہ نظروں ہی نظروں میں اندر تک جائزہ لے رہے ہوں، جب کہ سیفی بھائی۔ سیفی بھائی کی نظریں ایسی ہرگز نہیں ہوتی تھیں۔

اس روز دسمبر کی آخری شام تھی اور میں حمزہ آپا کے ساتھ شاپنگ کے لئے گئی ہوئی تھی۔ حمزہ آپا کو اپنے لیے صرف ڈائری لینا تھی اور حمزہ آپا بہت خوبصورت ڈائری خریدا کرتی تھیں۔ ڈھونڈ ڈھونڈ کر نفیس اور بہترین پیر والی۔

ہم اپنی شاپنگ مکمل کر کے جب وہاں آئے جہاں ہم نے ڈرائیور اور گاڑی کو چھوڑا تھا تو وہ دونوں غائب تھے اور وہاں سیفی بھائی کھڑے تھے اور ان کے پاس سونی کی آٹو تھی۔

”دراصل میں نے ڈرائیور کو گھر بھیجا ہے۔ آئی کو گاڑی کی ضرورت تھی میں نے اسے کھڑا کیا تو بیچ دیا کہ تمہیں میں پک کر لوں گا“ انہیں مسزہدانی کے ہاں جانا تھا۔ اور مجھے سیفی بھائی کی یہ بات سمجھ

پوچھے بغیر ان کے لئے خود ہی لائٹ جوس کا آرڈر دے دیا تھا۔ جب کہ مجھ سے پوچھا تھا کہ میں کیا لوں گی۔ ظاہر ہے وہ حمزہ آیا کے گئے تیارا زاد تھے اور حمزہ آپا سے ہم سے زیادہ واقف تھے اور جب میں نے گاؤں سے آکر نزی آیا کو فون پر بتایا کہ اپنے سیفی بھائی حمزہ آیا کے تیارا زاد ہیں تو انہیں کوئی خاص حیرت نہیں ہوئی چھوٹا میرے علاوہ سب ہی جانتے تھے ایک میں ہی بے خبر تھی۔

اور اگلے روز میں نے ڈیڈی سے ان کی ایجنسی کی ڈائری لے لی اور گمنٹوں قلم ہاتھ میں لے بیٹھی رہی کہ آخر کیا لکھوں، میرے پاس تو لکھنے کے لئے کچھ بھی نہیں تھا۔ جانے حمزہ آیا کیا لکھتی تھیں۔

اس رات کھانے کے بعد جب حمزہ آپا سب کے لیے کالی بنا کر لائی تھیں تو سیفی بھائی نے بہت تعریف کی تھی۔

”حمزہ کے ہاتھ کی کالی کامزاہی اور ہے۔“

اور میں نے سوچا تھا کہ میں کالی بنانا حمزہ آپا سے سیکھوں گی، مگر میں نے ان کے ہاتھ سے کالی کی پیالی لیتے ہوئے بے وقوفوں کی طرح پوچھ لیا تھا۔

”حمزہ آیا! آخر آپ ڈائری میں کیا لکھتی ہیں میری تو سمجھ ہی میں نہیں آتا کہ کیا لکھوں۔“

”یعنی آپ۔ آپ رہا نہ ملک! آپ ڈائری لکھیں گی اب۔“ ”مونی ہنسنے لگا تھا۔“

”تب ہی تو آج ڈیڈی سے ڈائری مانگی جا رہی تھی۔“

سولی نے جانے کب مجھے ڈائری لیتے دیکھ لیا تھا، پورا جاسوس ہے۔

”یہ لکھنا لکھانا تمہارے بس کی بات نہیں ہے۔“ مونی نے مذاق اڑایا۔

”اور ڈائری لکھ کر تم حمزہ آپا ہر گز نہیں بن سکتیں۔“ میں نے مونی کی بات پر ذرا توجہ نہ دی۔ اور حمزہ آپا سے پھر پوچھا۔

”جائیں نا حمزہ آیا۔“

”دل کی باتیں۔“

سیفی بھائی نے آہستگی سے کہا تھا لیکن میں نے سن لیا

تھا اور شاید حمزہ آپا نے بھی کیونکہ وہ سر نہچا کیے ہوئے ہوئے مسکرا رہی تھیں۔

اور میری سمجھ ہی میں نہیں آتا تھا کہ دل کی باتیں کیا ہوتی ہیں اور وہ باتیں جو میں سوچتی ہوں ان میں سے دل کی باتیں کون سی ہیں اور دماغ کی کون سی۔ مگر پھر بھی میرا جی چاہتا تھا کہ میں ڈائری لکھنا شروع کر دوں اور جب سیفی بھائی کو بتاؤں کہ میں ڈائری لکھتی ہوں تو وہ کہیں ”ہاں ڈائری لکھنا اچھی بات ہے۔“

پتا نہیں کیوں میرا جی چاہتا ہے کہ میں ہر وہ کام کروں جو سیفی بھائی کو اچھا لگتا ہے حالانکہ کوشش کے باوجود میں باقاعدگی سے ڈائری نہیں لکھ پاتی ہوں۔ ایک بار سیفی بھائی نے نہ جانے کس بات پر کہا تھا۔

”سورت کا حسن تو لمبے بالوں میں سے کوئی بھی مرد کٹے ہوئے بال پسند نہیں کرتا۔ ہاں مجبوری الگ ہے۔“

اور میں نے اپنے بال بڑھانے شروع کر دیے ہیں، پچھلے سات ماہ سے میں نے بال سیٹ نہیں کروائے حالانکہ مئی نے چھ سات دفعہ ٹوکا بھی ہے۔

”را ڈار لگ! تمہارے بال کس قدر بے ڈھنگے ہو رہے ہیں۔ تم انتہائی ست ہو۔“

”مگر میرا جی چاہتا ہے، میرے بال لمبے ہو جائیں، اتنے جتنے حمزہ آیا کے ہیں۔ گمنٹوں تک چھوٹے ہوئے۔ حمزہ آپا شاید صبح کے پیپر کی تیاری کر رہی ہیں

ورنہ میرا جی چاہ رہا ہے کہ ان سے جا کر پوچھوں کہ ان کے بال کس طرح اتنے لمبے ہو گئے تھے مگر میں انہیں ڈسٹرب نہیں کرنا چاہتی، پتا نہیں کیوں پہلے ہی

وہ اتنی پریشان لگ رہی ہیں۔ کیا انہیں مئی کے ارادوں کی خبر ہو گئی ہے۔ مگر ہمیں بھلا کیسے ہو سکتی ہے۔ شاید

وہ اپنی امی کی وجہ سے پریشان ہیں، اب بہت رات ہو گئی ہے اور مجھے بھی نیند آرہی ہے۔ اس لئے صبح ہی پوچھوں گی ایک بار پھر شاید اپنی پریشانی کی وجہ بتا ہی

دیں۔

\* ☆ \* ☆ \*

10 مئی 1990ء

حسب معمول ایک ہفتے بعد ڈائری اٹھائی ہے



”مئی! دو ایک روز رک جائیں۔ میں بھی ساتھ چلوں گی۔“

”تمہارا جانا کوئی ایسا ضروری بھی نہیں ہے۔“

”حزہ آپ سے ملاقات ہو جائے گی نا“

”ابھی ہفتہ بھر پہلے تو حمزہ مل کر گئی ہے۔“ مئی بعض اوقات بلا جواز ہی ضد کر جیتی تھیں۔

”ہاں مگر مجھے لیڈی ڈیانا بھی تو یاد آ رہی ہے۔“

”لیڈی ڈیانا۔“ مئی کو استغاب ہوا تھا۔

”حمزہ آپ کی سب سے چھوٹی بہن۔“

اور مئی جانے کس موڈ میں تھیں کہ وہ مجھے گاؤں ساتھ لے جانے پر راضی ہو گئیں ورنہ مئی اگرچہ کتنی ہی بے ضرر کیوں نہیں تھیں، ایک بات ان میں بھی کہ اگر وہ ایک باپ کی بات پر نہ کہہ دیتی تھیں تو پھر مشکل سے ہی مانتی تھیں۔ اگرچہ میں بہت تھکی ہوئی تھی مگر حمزہ آپا کے گھر جانے اور ان کی بہنوں سے ملنے کے شوق میں میں تیار ہو گئی، اور وہاں جا کر مجھے اس بات پر یقین ہو گیا کہ مئی واقعی زبردست پلانر ہیں۔ اور میں جو سمجھ رہی تھی کہ مئی بھول چکی ہیں کہ کتنی بھائی نے ان سے کیا کہا تھا حمزہ آپا کے متعلق، میں ان کی حکمت عملی کی قائل ہو گئی۔

حمزہ آپا کے ابامیاں گھر رہی تھیں، بظاہر دیکھنے میں تو وہ بس نارمل ہی سے لگے لیکن ان کا انداز بڑا روکھا روکھا تھا۔ اور میں نے محسوس کیا تھا کہ ان کی موجودگی میں سب ہی سسے سسے سے لگ رہے تھے حتیٰ کہ لیڈی ڈیانا بھی اس روز کی طرح نہیں چمک رہی تھی۔

”کیسے آنا ہوا؟“

ان کا انداز انتہائی روکھا روکھا تھا۔

”بس یوں ہی اباجان کی برسی آرہی تھی سو چاقو پر ہو آؤں۔ ادھر آگئی حمزہ سے ملنے۔ ماشاء اللہ بھائی صاحب! آپ کی بچی بہت پیاری اور بہت سمجھدار ہے۔ بہت خوش قسمت ہیں آپ کہ حمزہ جیسی لڑکی کے باپ ہیں۔“

”انگ نہیں آٹھ خوش قسمتیوں ہیں۔“ لہجے میں زہر گھلاتا تھا۔

”ماشاء اللہ بھائی صاحب! آپ کی ساری بچیاں ہی

دراصل ایک تو فارحہ کی شادی تھی ادھر مصوفیت بھی۔ یہ فارحہ بھی بڑی کھنی ہے۔ ہمارے ساتھ بیٹھ کر ایم فل اور پی ایچ ڈی کے پروگرام بناتی رہی اور اندر ہی اندر شادی کی تیاریاں کرتی رہی۔ اور پھر ایک دم دھماکہ کر دیا کہ وہ پڑھائی چھوڑ کر شادی کروا رہی ہے۔ ”کم از کم اپنا ایم اے تو مکمل کر لو۔“ ہم سب فریڈ زنے اسے بہت اکسایا۔ آخر پی ایچ ڈی کرنا اس کا خواب تھا لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔

”بھئی امی اور اباجی کی مرضی ہے۔“

”یہ کہو تمہاری اپنی مرضی ہے۔“ ماریہ حیدر کو اس کا ایم اے نامکمل رہ جانے کا بہت دکھ تھا۔

”چلو فارحہ کا ہر روز فل میک اپ میں یونیورسٹی آنا کام آگیا۔“

فائزہ علی نے اپنا کوئی پرانا بدلہ لیا، کیونکہ اس کے ٹائٹس اور جینز پس کر یونیورسٹی آنے پر سب سے زیادہ اعتراض فارحہ ہی کرتی تھی۔ مگر فارحہ نے اس پر زبردست احتجاج کیا۔

”شبیر نے مجھے آج تک نہ کھا ہی نہیں۔“

”یعنی۔“

”یعنی میں صرف اس کی ماں کی پسند ہوں۔“

”اور موصوف کرتے کیا ہیں؟“

”دکانداری۔“ اور فارحہ کے جواب سے سب کو انتہائی مایوسی ہوئی تھی، شکر ہے ایجوکیشن کچھ گوارا تھی یعنی بی اے بقول ماریہ کے بی اے فرام چک باقر شاہ۔

”یہ چک باقر شاہ میں کون سا کالج ہے۔“ فائزہ نے پوچھا تھا۔

”نہ ہو لیکن میاں شبیر شکل و صورت سے چک باقر شاہ کے ہی تعلیم یافتہ لگتے ہیں۔“

سب کو فارحہ سے ہمدردی تھی۔ جب کہ فارحہ خود خاصی خوش دکھائی دیتی تھی اور اس کی اس خوشی پر سب نے انتہائی احتجاج کیا تھا پھر بھی ہم سب فریڈ ز نے ہی اس کی شادی میں بھرپور حصہ لیا تھا اور ابھی شادی کی جھکن اتری بھی نہ تھی کہ مئی نے گاؤں جانے کا پروگرام بنالیا۔

ہیرا ہیں۔“ اتنی متحمل مزاج ہرگز نہیں تھیں جتنے تحمل کا مظاہرہ وہ یہاں کر رہی تھیں۔  
 ”میں نے تو دل میں سوچ رکھا ہے کہ میرا عفی آجائے باہر سے تو میں جھولی پھیلاؤں گی۔“  
 انہوں نے بھنویں اچکائیں اور پیشانی پر شکنیں سی پڑ گئیں۔

”ہاں میرا حق سب سے پہلا ہے بھائی صاحب۔“ ممی کالجہ ہنوز خوشگوار تھا۔  
 ”میں تو صرف اس لئے خاموش ہوں کہ عفی باہر گیا ہے بڑھنے کے لیے آٹھ سال ہونے والے ہیں وہ آجائے تو دست سوال دراز کروں ماشاء اللہ آپ اس سے مل کر باپوس نہیں ہوں گے۔“  
 وہ عفی بھائی کے آنے کا ذکر بالکل گول کر گئی تھیں۔  
 پیشانی کی شکنیں قدرے کم ہوئیں اور ہونٹوں پر طنز سی مسکراہٹ آگئی۔

”تم عورتیں بڑی بے وقوف ہوتی ہو۔ آٹھ سال سے صاحبزادے باہر ہیں تو ظاہر ہے باہر سے اکیلے تھوڑے ہی آئیں گے۔“ انہوں نے تہقیر لگایا۔  
 ”تب ہی تو خاموش ہوں۔ ایک دفعہ عفی آجائے تب ہی بات منہ سے نکالوں گی۔ لیکن ماشاء اللہ آپ کی بھی اور بچیاں ہیں اور میرا بھی ایک بیٹا اور ہے مولیٰ۔  
 رہا سے بڑا آدمی میں ہے۔ سولی کی تو بچپن سے ہی آپ کے ہاں بات طے ہے۔ بر مولیٰ تو ہے خدا نہ کرے کہ عفی کوئی میم شیم لے آیا تو بھی آپ کی کوئی نہ کوئی بچی میری بسو ضرور بنے گی۔ بس میں نے کہہ دیا ہے غیر گھر میں آکر عیش کریں اور اپنوں کو نظر انداز کر دیا جائے۔“

”غیروں میں بھی دے کر دیکھ لیا ہے عنبر کو“ آئے دن کا قہقہہ۔ ”ان کا لہجہ یکدم نرم ہو گیا تھا“ اور میں ممی کی حکمت عملی کی قائل ہو گئی، کس خوبصورتی سے انہوں نے حمزہ آپا کے اباجی کو یہ باور کرا دیا تھا کہ حمزہ آپا کا کوئی چکر و کر نہیں تھا وہاں بلکہ ان کے لئے حمزہ حفظہ سب برابر ہیں۔ اب وہ بہت نرم لہجے میں ممی سے بات کر رہے تھے۔ میں اٹھ کھڑی ہوئی۔

”ممی! میں جاؤں حمزہ آپا کی پاس۔“  
 ”ہاں ہاں جاؤ۔“ ممی بہت مطمئن تھیں جیسے معرکہ مار لیا ہوا انہوں نے۔  
 ”سنا تم نے کنیز فاطمہ! تمہاری بہن کیا کہہ رہی ہیں۔“ میں جاری تھی تو آنٹی کنیز فاطمہ اندر داخل ہوئی تھیں۔  
 ”کیا؟“ وہ لپٹے سے ہاتھ پونچھتے ہوئے بیٹھ گئیں۔

”انٹی حمزہ کو سوہانے کا۔“  
 ”مگر حمزہ کے لئے تو بھابھی نے کہہ رکھا ہے بہت پہلے سے سیف کے لئے۔“

”مت نام لو اس کبخت کا میرے سامنے۔“  
 پتا نہیں وہ سیفی بھائی سے اتنا ناراض کیوں لگ رہے تھے۔ ممی خاصی خوش واپس آئی تھیں اور آتے ہی انہوں نے نرمی آپا کو فون کر کے بتایا۔

نزد میں نے بات چلا دی ہے اب دعا کرنا۔ بھائی صاحب کے مزاج کا پتا نہیں چلتا، خاصے ٹیڑھے آدمی ہیں، پھر بھی مجھے امید ہے، عنبر کا رشتہ غیروں میں دے کر بہت بچھتا رہے ہیں۔ البتہ کنیز کچھ چپ سی تھی، اس کا خیال سیفی کے لئے تھا لیکن بھائی صاحب سیفی کو بالکل پسند نہیں کرتے، نام تک سننا نہیں چاہتے۔ میں نے لاؤنج سے گزرتے ہوئے ممی کی بات سنی تھی۔

ادہ تب ہی پچھو حمزہ آپا سے اتنا پیار کرتی تھیں اور سچ تو یہ ہے کہ حمزہ آپا ہیں ہی ایسی کہ سب ہی ان سے پیار کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

”تو کیا سیفی بھائی بھی حمزہ آپا سے۔“  
 لمحہ بھر کے لئے میرے دل میں خیال آیا اور جیسے دل کو کسی نے مٹھی میں لے لیا۔

25 جون 1990ء

آج پورے ڈیڑھ ماہ بعد میں نے ڈائری اٹھائی ہے حالانکہ کئی دفعہ سوچا کچھ لکھوں مگر موڈ ہی نہیں بنا۔ کیا لکھوں بھلا اتنی بوریست سی تو ہے۔

نرمی آپا بھی اقتدار بھائی کے ساتھ درلڈ نور پر گئی ہوئی ہیں۔ اقتدار بھائی نے شادی کے بعد ان سے وعدہ



”کیا۔“ میں انہیں سے کان لگائے کھڑی تھی۔  
 ”زارا کے میکے سے سب لوگ آئے ہوئے ہیں  
 اور جگہ بالکل نہیں ہے۔“  
 ”سروٹ کو اربڑ میں رنجائش نہیں نکلی سکتی نجو چچا!  
 کیونکہ رہا۔“ ”نہیں ضرورت مجھے کہیں جانے کی۔“

میں غصے سے اپنے کمرے میں آگئی یہ نجو چچا بھی شاید  
 بدل ہی گئے ہیں رنجائش زارا چچی کے میکے والوں کو۔  
 مجھے نہیں جانا کراچی مگر صبح ہی ناشتے کی ٹیبل پر ڈیڈی  
 نے کہا۔

”را بیٹا! نجو اور زارا بہت ضد کر رہے ہیں کہ  
 تمہیں چھٹیاں ہیں تو کچھ دن ان کے پاس گزار آؤ سونی  
 لے جائے گا تمہیں میرا جی نہیں کہیں جانے کا۔“  
 میں نے بھی نجو چچا سے خوب خوب متیں کروائیں پھر  
 جانے کے لئے تیار ہوئی، نجو چچا اور زارا چچی ایر پورٹ  
 پر موجود تھے۔

”آپ کے مہمان چلے گئے کیا؟“ میں نے زارا چچی  
 سے پوچھا۔  
 ”کون۔؟۔“

”آپ کی ممی اور بہنیں وغیرہ۔“  
 ”لوہ تو چھ ماہ ہوئے امریکہ شفٹ ہو گئے ہیں۔“  
 میں نے گھور کر نجو چچا کو دیکھا تو وہ منہ نیچا کر کے  
 مسکرانے لگے۔  
 سونی چائے پیتے ہی خالہ جانی کے گھر جانے کے لئے  
 تیار ہو گیا۔

”ارے سونی! کہاں چلے۔ آرام کرونا۔“  
 ”در حبیب پر حاضر دینے۔“ نجو چچا گنگنائے۔  
 ”کمال ہے وہاں کیسے صبر کرتے ہو۔“ زارا چچی  
 نہیں۔

”مجبوری ہے۔“ سونی نے ٹھنڈی سانس لی۔  
 ”اب کے میں بھالی سے کہوں گی کہ اب سونی کی  
 شادی ہو جانی چاہیے بہت ٹھنڈی سانسیں بھرنے لگا  
 ہے۔“  
 رات کو جب ہم کھانے کے لئے بیٹھے تو سونی آگیا  
 اور آتے ہی ٹیبل پر بیٹھ گیا۔

کیا تھا کہ وہ انہیں یورپ گھمانے لے جائیں گے۔  
 اور نجو چچا بھی کچھ عرصے سے کراچی منتقل ہو چکے  
 تھے۔ سوزندگی انتہائی بڑھ رہی تھی اور ایسے میں میرا  
 جی نہ بڑھائی میں لگتا تھا اور نہ کسی اور بات میں نہ لی  
 دی کے پروگرام اچھے لگتے نہ کوئی سووی دیکھنا، حالانکہ  
 پہلے میں سووی بڑے شوق سے دیکھتی تھی۔

”یہ تو اچھی علامات نہیں ہیں رہا۔“ میں نے سونی  
 سے شکایت کی۔ تو اس نے تشویش سے مجھے دیکھا۔  
 ”اچھا اب فضول کوئی بات نہ کرنا۔“

”سنو ایسا کرو ایسا کرو۔“  
 ”کیا۔“ اس نے کان کھجایا۔

”چند دنوں میں تمہاری گرمیوں کی چھٹیاں  
 ہو جائیں گی تو نجو چچا کے پاس کراچی چلی جانا تمہاری  
 بوریت دور ہو جائے گی۔“  
 سونی کا مشورہ واقعی معقول تھا، سو جیسے ہی تعطیلات  
 ہوئیں میں نے نجو چچا کو فون کیا۔

”نجو! چچا میں بوریت سے مرنے والی ہوں۔“  
 ”یہ تو بڑی تشویش ناک بات ہے۔“ سچی! میں اس  
 سلسلے میں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں۔“

”در اصل مرنے کے لئے سمندر بہترین جگہ  
 ہے۔“ سونی جو میرے پاس ہی کھڑا تھا۔ اس نے  
 ریسپور مجھ سے لے لیا۔

”واقعی مجھے آج تک خیال ہی نہیں آیا۔ چلو کسی  
 دن آزا کر دیکھیں گے۔“

نجو چچا دو بیٹیوں کے باپ بن کر بھی مسخرے ہی  
 تھے۔

”مگر رہائزات خود آزمانا چاہتی ہے۔“  
 ”تو۔“ ”کس قدر بن رہے تھے نجو چچا۔ مجھے غصہ  
 آگیا۔

”رہنے دو سونی۔“ مگر سونی نے میری طرف توجہ  
 نہیں دی۔

”تو عرض ہے کہ آپ ڈیڈی ممی سے پر زور  
 درخواست کریں کہ وہ چھٹیوں میں راکو آپ کی طرف  
 بھیج دیں۔“

”مگر ایک مسئلہ ہے۔“

”کیوں کیا مصباح نے کھانے کے لئے نہیں پوچھا۔“ میں نے اسے چھیڑا۔  
”پوچھا تھا۔“ اس نے ہونٹ لٹکائے  
”پھر۔“

”پھر۔“ اس نے نجو چچا کی طرف دیکھا۔  
”نجو چچا! یہ لڑکیاں اتنی شکی کیوں ہوتی ہیں۔“  
”پتا نہیں۔“ نجو چچا کبھی کبھی بڑے معصوم بن جاتے تھے۔  
”یہ وہ مسئلہ ہے جو ابھی تک نکتہ دروں سے حل نہیں ہو سکا۔ ہم نے چارے کس شمار میں ہیں۔“  
”اور یہ ان کی ناکیں اتنی لمبی کیسے ہو جاتی ہیں کہ کراچی میں بیٹھ کر لاہور کی بوسونگھ لیں۔“ اس نے کباب اپنی پلیٹ میں رکھا۔  
”کیا سونگھ لیا؟“

زارا چچی جو اپنی بچیوں کے ساتھ مصروف تھیں۔  
ایک دم سونی کی طرف متوجہ ہو گئیں۔  
”مصباح کا خیال ہے کہ میرے پاس وہاں خوبصورت خوبصورت کلائٹ لڑکیاں آتی ہیں اور میں ان کے ساتھ گپ لگاتا ہوں اور۔“  
”اور کیا تم گپ نہیں لگاتے ہو۔“ نجو چچا نے فوراً احتساب کیا۔

”ظاہر ہے۔ گپ تو لگ ہی جاتی ہے اور۔“  
”حسن سامنے ہو تو نگاہیں اٹک ہی جاتی ہیں۔“ نجو چچا نے اس کا جملہ مکمل کر دیا۔

”مگر اس کا یہ مطلب تو ہرگز نہیں ہے کہ میں مصباح کو بھول کر کسی کلائٹ سے محبت کرنے لگا ہوں اب وہ بے چاری رباب اتنی خوبصورت ہے اور اتنی دکھی ہے۔ کبھی کبھی فون کرتی ہے تو میں بات کر لیتا ہوں پلس اتنی سی بات ہے۔“  
”تو بات نہ کرنا آئندہ اس سے۔“ نجو چچا نے فیصلہ

سنادیا۔  
”مگر نجو چچا۔“ سونی انتہائی مظلوم لگ رہا تھا۔  
”وہ اتنی خوبصورت باتیں کرتی ہے کہ جی چاہتا ہے کہ سنتے ہی رہیں۔“  
”مگر یہ ساری باتیں مصباح کو کس نے بتائیں؟“

زارا چچی نے جو بے حد حیرت سے سونی کی بات سن رہی تھیں پوچھا۔  
”زارا! بیگم! یہاں۔“ نجو چچا نے دل پر ہاتھ رکھا۔  
”یہاں سے پتا چلتی ہیں یہ خبر دیتا ہے ان باتوں کی۔“ خود بخود ادراک ہوتا ہے۔

وہ ایک دم نجو چچا سے بڑے فلسفی اور دانشور بن گئے۔  
عورت کی ایک حس زیادہ ہوتی ہے اس معاملے میں۔  
کروڑوں میل دور بیٹھے ہوئے بھی اسے پتا چل جاتا ہے کہ اس کا مرد رہا یا ہو رہا ہے۔  
”اف او کھانا کھا میں۔“ کیا اوٹ پٹانگ باتیں کرتے رہتے ہو تم چچا بیجے۔“ زارا چچی بور ہو گئی تھیں۔  
”ہائے زارا! بیگم! تم کیا سمجھو ان اوٹ پٹانگ باتوں کا چارہ۔“

نجو چچا نے چادلوں کی دُش اپنی طرف کھسکالی اور سونی بھی ٹھنڈی آہ بھر کر کھانے کی طرف متوجہ ہو گیا۔  
دوسرے دن سونی، زارا چچی کے بے حد اصرار کے باوجود واپس چلا گیا کیونکہ اس کا ایک بے حد اہم کیس کورٹ میں لگا تھا اور اس کے جانے کے بعد مصباح آگئی مجھ سے ملنے۔ اس کی آنکھیں متورم تھیں اور وہ یوں ہی اٹھ کر آگئی تھی حالانکہ کہیں نہ بھی جانے سے پہلے وہ خاصے اہتمام سے تیار ہوا کرتی تھی۔  
”تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے۔“

”ہوں۔“ سونی کہاں ہے۔  
”چلا گیا ہے۔“

”چلا گیا ہے۔“ اس نے یوں کہا جیسے سونی کا جانا کوئی بہت بڑا حادثہ ہو۔

”ہاں اس کا کیس تھا۔“  
”اور اس نے جانے سے پہلے مجھ سے بات بھی نہیں کی۔“ اس کی آنکھیں پانیوں سے بھر گئیں۔  
”دراصل اس کی فلائٹ بہت سویرے تھی۔ تم اس وقت سو رہی ہو گی۔“

”نہیں۔ یہ بات نہیں ہے راؤ۔ وہ بدل رہا ہے۔ بدل گیا ہے۔“ وہ دھواں دھار روئے لگی۔  
”نہیں نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔“  
میں نے اسے بہت تسلی دی لیکن وہ جتنی دیر رہی



اس کی آنکھوں میں بار بار آنسو آتے رہے۔

یہ لڑکیاں بھی کتنی پاگل ہوتی ہیں۔

اس روز مجھے مولیٰ کی بات پر یقین آگیا۔

”نازک بدل اور کمزور سی اور انتہائی پوزیسو۔“

میں نے مولیٰ کو اگلے روز بہت لمبا چوڑا خط لکھا۔

میں نجو چچا کے ہاں بہت خوش تھی اور بہت انجوائے کر رہی تھی۔

اس روز نجو چچا نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ مجھے

آج آفس سے واپسی پر پھپھو کے ہاں لے جائیں

گے۔ میں لاشعوری طور پر بہت اہتمام سے تیار ہوئی

تھی۔ میں نے بالوں کی کس کر بونی بنائی تھی۔ اگرچہ

میں نے تقریباً ایک سال سے بال نہیں کٹوائے تھے

پھر بھی ابھی وہ اتنے زیادہ بڑے نہیں ہوئے تھے اور حمزہ

آپا کے بال کتنے خوبصورت تھے۔ کتنے لمبے اور گھنے پتا

نہیں میرے بال اتنے لمبے کب ہوں گے۔

میں نے بہت ہلکا ہلکا میک اپ کیا تھا جو بالکل

محسوس نہیں ہو رہا تھا اور بڑا سا کلف لگا سفید دھڑالیا

تھا۔ اور آئینے میں اپنے آپ کو دیکھتے ہوئے غیر ارادی

پر سوچا تھا۔ کیا میں اس وقت حمزہ آپا کی طرح لگ

رہی ہوں؟ پتا نہیں کیوں یہ خیال میرے دل میں آیا تھا

اور ابھی نجو چچا آفس سے آئے بھی نہیں تھے کہ پھپھو

سیفی بھائی کے ساتھ آگئیں۔

”اتنے دن ہو گئے تمہیں آئے ہوئے اور مجھے کل

پتا چلا تمہاری خالہ جانی سے کیا میں تمہاری کچھ نہیں

لگتی۔“

انہوں نے مجھے گلے لگاتے ہوئے شکوہ کیا۔

”پوچھ لیں زارا چچی سے۔ میں روز نجو چچا سے کہتی

ہوں اور آج انہوں نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ آپ

کی طرف لے جائیں گے۔“

”یہ نجو تو کبھی فارغ نہیں ہوگا۔“ ان کے لہجے میں

پیار ہی پتا تھا۔

نجو چچا سب سے چھوٹے ہونے کی وجہ سے خوب

سب کا پیار بڑھتے تھے۔ ڈیڈی کے بھی لاڈ لے تھے

اور بڑے چچا کے بھی اور پھپھو کی تو جان تھی ان میں

جن دنوں پھپھو اپنے سرال میں تھیں اور ان کو سب

کی طرف آنے سے اور ملنے سے منع کر دیا گیا تھا تب

بھی نجو چچا دھڑلے سے ان سے ملنے چلے جاتے تھے۔

میری وجہ تھی کہ نجو چچا ہمیشہ پھپھو کے گھر جاتے

رہے اور ان کی سیفی بھائی سے بھی بہت دوستی تھی اور

یہ بات سیفی بھائی نے ان دنوں بتائی تھی جب وہ لاہور

آئے تھے۔

”اسلام علیکم سیفی بھائی۔“

میں نے نگاہیں اٹھا کر انہیں دیکھا۔ ہمیشہ کی طرح

وہ بہت سور اور باوقار لگ رہے تھے مجھے دیکھ کر وہ

مسکرائے۔ ان کی آنکھوں میں نے اپنے لئے ستائش

محسوس کی تو میری رونج اندر تک سرشار ہو گئی۔

”کیسی ہو رہا۔“ کھمبیر خوبصورت لہجہ اندر تک

اترنا چلا گیا۔

”ناس۔“

”ماشاء اللہ بہت پیاری لگ رہی ہو۔“ پھپھو نے

تعریف کی۔

”یہ ہے، پیاری لگ نہیں رہی۔“

سیفی بھائی نے کہا تو مجھے یوں لگا جیسے میرا دل زور سے

دھڑک کر پھر بند ہو جائے گا۔

اس روز پھپھو مجھے اپنے ساتھ لے آئیں۔ حالانکہ نجو

چچا نے انہیں دھمکی دی تھی۔

”یہ میری مہمان ہے بھئی۔“

”آپ کی مہمان ہماری مہمان بھی تو ہو سکتی

ہے۔“

سیفی بھائی چچا سے بہت بے تکلفی سے بات کرتے

تھے۔

”بالکل ہو سکتی ہے۔“ انہوں نے سر کھجایا۔

اور میں سیفی بھائی اور پھپھو کے گھر رہنے کے لئے

آگئی۔ MARINE DRIVE پر ان کا چھوٹا سا لیکن

بہت خوبصورت گھر تھا اور پھپھو نے اسے بہت

خوبصورتی سے ڈیکورٹ کیا ہوا تھا۔ میں پہلی بار پھپھو

کے گھر آئی تھی۔ پھپھو بہت خوش تھیں اور ان کا بس

نہیں چل رہا تھا کہ وہ میرے لیے دنیا جہان کی نعمتیں

اکٹھی کر دیں۔ میں آج ہی پھپھو کے گھر سے آئی ہوں

اگر نجو چچا مجھے لینے نہ آتے تو میں ابھی بھی ان کے گھر

اور سیفی بھائی ٹی وی لاؤنچ میں اپنے سامنے کچھ فائلیں کھولے بیٹھے تھے۔ میں کبھی کبھی انہیں کچن کے دروازے سے دیکھ لیتی تھی۔

”برا مشکل وقت دیکھا ہے سیفی نے۔ اللہ اس کا اب نصیب اچھا کرے بہت دیر۔“

پھپھو چوکی پر بیٹھی سبزی کاٹ رہی تھیں، پھپھو کو کل سے فلو تھا۔ آج طبیعت کچھ بہتر تھی لیکن میں نے ان سے کہا تھا کہ آج میں کھانا بناؤں گی۔ دراصل ڈنر پر سیفی بھائی کے ایک دوست آرہے تھے مگر پھپھو زبردستی کچن میں آگئی تھیں۔

”اتنا کام اکیلی کیسے کرو گی کچھ مدد کر دیتی ہوں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ پھپھو کے کچن میں آنے سے مجھے کچھ حوصلہ بھی ہو گیا تھا۔ صبح پھپھو کی طبیعت خراب دیکھ کر سیفی بھائی نے کہا تھا کہ وہ دعوت ملتوی کر دیتے ہیں لیکن میں نے منع کر دیا۔“

”میں کر لوں گی سب۔“

وہ کچھ کچھ حیران ہوئے اور پھر ان کی آنکھوں میں میرے لئے ستارش کے رنگ بکھر گئے۔

”میں تمہیں اور طرح کی لڑکی سمجھا تھا رہا! میرا نہیں خیال تھا کہ تمہیں کچن وغیرہ کاموں سے کوئی دلچسپی ہوگی۔ جب میں لاہور میں تھا تو کبھی کبھار اقدار کے ہاں چلا جایا کرتا تھا لیکن نہت تو کبھی بھی کچن میں نہیں گئیں۔ ان کا کلک ہی جو پکا لے میرے خیال میں تو شاید انہیں صرف آلیٹ بنانا ہی آتا ہوگا، لیکن تمہیں کچن میں امی کے ساتھ دیکھ کر خوشی ہوئی ہے۔“

”جب تک ابامیاں (سیفی کے دادا) زندہ رہے تو اتنی پریشانی نہیں ہوئی۔ سال بھر کا اناج ڈلوادیتے اور بھی ضروریات کا خیال رکھتے تھے لیکن پھر ان کی وفات کے بعد بڑی تنگی ہوگئی۔ سیفی کے تایا اور بڑے چچا نے تو صاف کہہ دیا کہ آخر میاں باب کی زندگی میں وفات پا گئے تھے سو ان کی وراثت ختم ہوگئی، زمین جائیداد میں کوئی حصہ نہیں سیفی کا، وہ تو شکر کہ ابامیاں گھر کا وہ حصہ جس میں ہماری رہائش تھی۔ سیفی کے

سے نہ آئی۔

شاید میں اتنی خوش تو کبھی بھی نہیں رہی جتنی ان پندرہ دنوں میں رہی ہوں، سیفی بھائی صبح آٹس چلے جاتے اور میں دن بھر پھپھو کے ساتھ مصروف رہتی۔ کام کرتے ہوئے پھپھو مجھے اپنے متعلق بتاتی رہتیں۔ وہ دیکھ جو انہوں نے سنے، اور وہ کرب جو سیفی نے برداشت کیا۔

تنہا ایک نچو چچا تھے جو کبھی کبھی ان سے ملنے چلے جاتے تھے تو جیسے انہیں گلو کو زل جاتا تھا۔ وہ ایک بار پھر سے توانا ہو جاتی تھیں۔

”دراصل۔“

میرے استفسار پر کہ وہ انکل کی وفات کے بعد دادا کے پاس کیوں نہیں آئیں۔ حالانکہ ممی بتاتی ہیں کہ دادا دادی انہیں بہت یاد کرتے تھے اور دادی کو تو ان کا غم ہی لے گیا حالانکہ وہ جھلی چنگی تھیں۔

”میں نے سیفی کے ابو سے وعدہ کیا تھا کہ میں کہیں نہیں جاؤں گی۔“

وہ بہت اچھے تھے، اپنے خاندان کے سارے مردوں سے مختلف، بہت نرم مزاج اور لبرل انہوں نے کہا تھا کہ میرے بعد بہتر تو ہے کہ تم شادی کر لیتا اور اگر شادی نہ کی تو اپنا گھر چھوڑ کر کبھی نہ جانا۔ بے شک تمہارے بھائی بہت اچھے اور محبت کرنے والے ہیں لیکن آدمی اپنے گھر سے ہی معتبر ہوتا ہے۔ ماموؤں کے گھر میں رہ کر سیفی کی انا مجروح ہوگی اور اس کا سر ہمیشہ کے لئے جھک جائے گا۔“

پھپھو ورق ورق اپنی داستان سناتی جاتیں اور وقت گزرنے کا پتا ہی نہ چلتا، پھر سیفی بھائی آجاتے۔ شام کی چائے اور رات کا کھانا کھئے کھایا جاتا اور کھانے کے بعد بہت دیر تک ٹی وی دیکھتے ہوئے باتیں ہوتیں۔ کبھی کبھار رات کو ہم ڈرائیو پر نکل جاتے۔ پھپھو میں اور سیفی بھائی، سیفی بھائی نے بہت سیر کروائی۔ کراچی کی ہر اہم جگہ جہاں میں پہلے نچو چچا اور زارا بچی کے ساتھ جا چکی تھی مگر سیفی بھائی کے ساتھ ان جگہوں پر آنا بہت اچھا لگا۔

اس روز اتوار تھا۔ میں پھپھو کے ساتھ کچن میں تھی



نام کر گئے تھے۔ بڑا اوکھا وقت کا تھا۔ میٹرک کے بعد تو سیٹی نو کرنی ڈھونڈنے لگا تھا لیکن نجو آگئے۔ وہ لاہور زرہ سٹی ساتھ لے گئے اور کالج میں ایڈمیشن دلوا دیا۔

سیٹی بڑھتا ساتھ ٹیوشن کرتا، کسی نے حوصلہ افزائی نہیں کی! لٹرا روڑے ہی انکائے۔

”بس نجو کا دم تھا جس نے ہمت بندھائے رکھی۔“

”نحو چچا سے پہلے ہی مجھے بت پیار تھا۔ اب تو مجھے اور بارے لگنے لگے ہیں۔“

”پچھو! آپ نے اتنی تکالیف اٹھائیں۔ آجائیں ہمارے پاس۔“

”بس بیٹا! ایک دوبار تو ہمت ہار ہی گئی تھی لیکن پھر نجو حوصلہ دیتا سیٹی ہمت برحاکہ اب مشکل وقت

تھوڑا سا ہی رہ گیا ہے۔ بس کیا بتاؤں ایسا وقت بھی آیا کہ دو وقت کھانا نہیں پکا، تیز فاطمہ کو بتا چلا تو چپکے سے شوہر سے چھپ کر کھانا دے گئی۔ سیٹی تو لاہور میں

تھا۔ حمزہ میرا بت خیال رکھتی تھی۔“

”یہ حمزہ آپ کے ابا کو کیوں چڑھے سیٹی بھائی سے۔“

”اللہ جانے۔ شروع سے ہی دونوں بھائیوں

میں نہیں بنتی تھی سیٹی نے تو ہمیشہ ہی احترام کیا ہے

اپنے دونوں چچاؤں اور تایا کا لیکن بھائی صاحب کو تو

اللہ واسطے کا بیر تھا سیٹی سے۔ شاید ان کا بیٹا نہیں تھا

کوئی اس لئے یا پھر معلوم نہیں کیوں ہاتھ تو سر پر سیٹی

کے آیا اور بڑے چچا نے بھی نہیں رکھا لیکن ایسا بیر

بھی نہیں تھا انہیں سیٹی سے۔“

”ای! کیا رانے قصبے سا کر پور کرتی رہتی ہیں را

کو۔“ سیٹی بھائی جانے کب کچن میں آگئے تھے میں

بت دھیان سے گوشت کو دہی لگاتے ہوئے پچھو کی

باتیں سن رہی تھی۔

”نہیں تو میں تو پور نہیں ہوتی۔“

”پھر بھی جو گزر گیا سو گزر گیا۔ ایک کپ چائے مل

جائے گی۔“

”مضبوط۔“ میں نے اسی وقت چائے کا پانی رکھ

دیا سیٹی بھائی پھر جا کر کام میں مصروف ہو گئے۔

”برائی بت اچھی تھی اور سوپ بھی، بلکہ ہر چیز ہی

اچھی بنتی تھی۔ شامی کباب بھی سب کو بت پسند

آئے۔

رات کو جب میں تھک کر پچھو کے کمرے میں لیٹی

ہوں ہی اخبار دیکھ رہی تھی کہ دوستوں کو رخصت

کر کے سیٹی بھائی اندر آئے اور انہوں نے تعریف کی

مجھے لگا جیسے میری تھکن اتر گئی ہو۔

”تم نے سچ سچ مجھے حیران کر دیا را! کیا واقعی تم نے

پکایا ہے یہ سب۔“

”نہیں میرے فرشتوں نے۔ میں نہیں۔“

”چاہے تمہارے بنائے ہوئے کھانوں میں سے

حمزہ کے ہاتھ کے کھانوں کی خوشبو آ رہی تھی۔ حمزہ

بالکل ایسی ہی برائی اور کباب بھائی ہے۔“

اور میں نے برائی اور کباب بھائی حمزہ آپا سے ہی

سیکھا تھا لیکن میں نے سیٹی بھائی کو یہ نہیں بتایا۔ میں

نے محسوس کیا تھا کہ جب بھی یوں ہی باتوں باتوں میں

کبھی حمزہ آپا کا ذکر آتا تو ان کی آنکھیں دھکنے لگتی

تھیں۔ اور پورا چہرہ روشن روشن سا لگنے لگتا تھا۔

ان کے بیڈ روم سے ملحق ان کا چھوٹا سا اسٹڈی روم تھا

جس میں شیلٹوں میں بے شمار کتابیں تھیں۔ اس

روز میں وقت گزاری کے لئے ان کی اسٹڈی سے کوئی

کتاب لینے گئی تو سینئر نیل پر ایک کتاب آوندھی پڑی

تھی میں نے اٹھا کر دیکھی۔ پروین شاکر کی ”خوشبو“

تھی۔ میں نے یوں ہی درق گردانی کی۔ شعرو شاعری کا

مجھے کوئی زیادہ شوق نہیں ہے۔

پہلے صفحے پر لکھا تھا۔ ”تمہاری سالگرہ پر۔“

ON YOUR BIRTH DAY

FROM HUMZA

میں نے کتاب واپس نیل پر رکھ دی۔

”تو۔ تو کیا حمزہ آیا اور سیٹی بھائی۔“

لیکن ضروری تو نہیں کہ ان کے درمیان محبت کا تعلق

بھی ہو، آخر کو وہ کزن بھی تھے اور اگر حمزہ آپا نے ان کی

برکت دے رکھی کتاب اس میں گفت کی ہے تو اس کا یہ

مطلب ہرگز نہیں کہ سیٹی بھائی اور حمزہ آپا ایک

دوسرے سے محبت کرتے تھے۔

میں شایف میں سے اپنے لئے کوئی کتاب دیکھنے

لگی۔ ایک کتاب انٹائی وہ ٹیکسٹر کا ڈرامہ تھا۔

جولیس سیزر JULIUS CAESAR میں نے  
یونہی اسے کھلاتا ہی سیفی بھائی آگئے۔  
”تم را۔“ انہوں نے میرے ہاتھ میں جولیس سیزر  
دیکھ لی۔

”تمہیں بھی شیکسپیئر پسند ہے۔“ ان کی  
آنکھوں میں واضح حیرت اور ستائش تھی۔  
”حمزہ کو بھی شیکسپیئر بہت پسند تھا۔ الف اے  
میں ہی اس نے شیکسپیئر برنارڈ شاہ سب کو گھول کر  
لی لیا تھا HAMLET اور OTHELLO اس  
کو بہت پسند تھے تمہیں کون سا پلے پسند ہے۔“  
”یہی۔ دونوں زیادہ پسند ہیں۔“ حالانکہ میں نے  
دونوں نہیں پڑھے تھے۔

”Real! را! تم مجھے مسلسل حیران  
کر رہی ہو۔“ وہ سامنے ہی بیٹھ گئے۔  
”پتا ہے حمزہ خود بہت اچھی رائٹوں سکتی تھی لیکن  
اس نے اس طرف توجہ ہی نہیں دی ہاں شاعری کی  
طرف اس کا رجحان زیادہ رہا بہت باذوق ہے وہ۔  
تمہیں کبھی اس نے اپنے شعر سنائے۔“

”ہاں بہت کم۔“ میں پتا نہیں کیوں گھبرا رہی تھی۔  
حالانکہ حمزہ آپا کی شخصیت کا یہ گوشہ مجھ پر عیاں نہیں  
تھا۔ دراصل اپنی ذات کے متعلق تو انہوں نے کبھی  
کوئی بات کی ہی نہیں تھی۔ ان چار سالوں میں بہت  
کچھ ان کے متعلق جاننے کے باوجود ہم کچھ نہیں  
جانتے تھے۔ اگر کوئی پوچھتا کہ حمزہ کیسی ہیں تو کہنے کے  
لئے اس کے سوا اور ہمارے پاس کیا تھا۔ کہ وہ بہت  
اچھی ہیں، بہت پیاری ہیں، بہت محبت کرنے والی اور  
کیرنگ ہیں، بہت اچھی کککنگ کرتی ہیں وغیرہ اور  
بس۔ اس روز سیفی بھائی نے مجھے حمزہ آپا کے لکھے  
ہوئے کئی شعر سنائے۔

اب نہیں ہوں میں اس قدر تنہا  
میری تنہائی کے درتے میں  
انہی آنکھیں سجا گیا کوئی

وہ آنکھیں موندے جب سنار ہے تھے تو ان کے چہرے  
کا اور ہی عالم تھا۔ اور میرا دل جسے اندر ہی اندر لمحہ بھر  
کو ڈوب سا گیا اور میرے دل نے گواہی دی۔

سیفی بھائی حمزہ آپا کے اسیر ہیں اور اس روز میں سارا  
دن بلاوجہ اداس رہی دل بھر بھر آتا رہا۔

شاید مجھے ممی ڈیڈی اور سولی یاد آرہے تھے۔ رات  
کھانے کے بعد سیفی بھائی اپنے کمرے میں چلے گئے  
تھے۔ شاید انہیں کوئی کام کرنا تھا، ورنہ جب سے میں  
آئی تھی۔ کھانے کے بعد وہ مجھے کہنی دیتے تھے۔  
پھپھو اپنے کمرے میں عشاء کی نماز پڑھ رہی تھیں اور  
میں اکیلی جینٹلی ریموٹ ہاتھ میں لئے مختلف چینل  
ٹرائی کر رہی تھی کہ شاید کہیں کوئی اچھا پروگرام مل  
جائے۔ زی ٹی وی سے ایک انتہائی ریٹس مودی دکھائی  
جا رہی تھی۔ میں نے چینل بدلا تب ہی پھپھو نماز پڑھ  
کر ٹی وی لاؤنچ میں آگئیں۔

”یہ سیفی چلا گیا کیا اپنے کمرے میں۔“  
”جی پھپھو! انہیں کچھ فائلیں دیکھنا تھیں۔“  
”تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔“ وہ میرے  
قریب ہی بیٹھ گئیں۔

”جی پھپھو۔“ میں نے ان کی طرف دیکھا۔ سفید  
رنگ کے دوپٹے پر بہت نفیس کڑھالی کی گئی تھی۔  
”پھپھو! بہت خوبصورت کڑھالی ہے اور بہت  
نفیس۔“

”ہاں حمزہ نے کی ہے۔ کنیز بھالی نے بچیوں کی  
تربیت بہت اچھی کی ہے۔ ہر فن مولا ہیں اور حمزہ تو  
بہرا ہے۔ اس جیسی لڑکی ہزاروں میں کوئی ایک  
ہوگی۔“

”نہیں امی جان! حمزہ جیسی لڑکی ہزاروں لاکھوں  
بلکہ کروڑوں میں بھی کوئی ایک بھی نہیں ہے۔“  
سیفی بھائی نہ جانے کب آگئے تھے۔

کیا میں کبھی حمزہ آپا جیسی بن سکتی ہوں، ہزاروں لاکھوں  
میں ایک۔

میں نے سوچا اور ایک انجانی افسردگی نے میرے دل کو  
اپنی مٹھی میں جکڑ لیا۔

کیا بات ہے را! بہت اداس لگ رہی ہو۔ اچھی تو  
ہونا۔“ سیفی بھائی قریب آگئے تھے۔

”جی۔“ میں نے اثبات میں سر ہلایا لیکن ٹپ ٹپ  
آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے اور میں ابھی تک سمجھ



ایک بجی مجھے دے دیں، بیٹی بنا کر رکھوں گی۔ بیٹیوں سے کتنی رونق ہو جاتی ہے گھر میں لیکن بھائی صاحب نے انکار کر دیا کہنے لگے خود تو کمانے کو ہے نہیں اور میری بیٹی مانگ رہی ہیں۔ اٹھ بیٹیوں کا یہ مطلب نہیں کہ میں اب انہیں پانے لگوں۔

”ای پلیز۔“ سیفی بھائی کے مسکراتے ہونٹ بھیج گئے۔  
”کتنی بار کہا ہے۔ گزری باتوں کو مت یاد کیا کریں۔“ وہ مووی دے کر چلے گئے مگر میں نے مووی نہیں دیکھی اور پھپھو کے ساتھ ہی سونے کے لئے اٹھ گئی اور آج صبح ابھی ناشتا کر رہی تھی کہ نجو چچا اور زارا چچی آگئیں۔

بے ایمان بے وفالڑکی! پھپھو کو یا کر چچا کو بھلا دیا۔ پتا بھی ہے کتنے دن ہو گئے ہیں تمہیں ادھر آئے ہوئے۔

”اور آپ کون سا لینے آ گئے۔“ سیفی بھائی نے میری مدد کی۔

نجو چچا نے اس طرح انہیں دیکھا جیسے کہہ رہے ہوں ”بولس تم بھی۔“

اور یوں آج میں نجو چچا کے ساتھ نجو چچا کے گھر آگئی ہوں، لیکن پتا نہیں کیوں دل ابھی تک اداس ہے۔ بو جھل بو جھل سا، جیسے کوئی بھاری بوجھ آگرا ہو، اور اپنی کیفیت میری خود سمجھ میں نہیں آرہی ہے۔ شاید جیسے واقعی گھریا د آرہا ہے۔ صبح فون کروں گی اور سوئی سے کہوں گی اگر اسے فرصت ہو تو مجھے آکر لے جائے۔

24 جولائی 1990ء

آج کراچی میں میری آخری شام ہے اور صبح میں واپس لاہور جا رہی ہوں۔ کراچی میں یہ ڈیڑھ ماہ بہت اچھا گزرا ہے اور خاص طور پر وہ پندرہ دن جو میں نے پھپھو کے گھر گزارے ہیں۔ وہ میری زندگی کے یادگار دنوں میں سے ہیں۔ جب میں بستر پر لیٹی ہوں تو مجھے پھپھو کے گھر گزرنے دن یاد آتے ہیں۔

سیفی بھائی کی باتیں ان کا بولنے کا حیران دہانہ انداز اور کبھی کبھی بے ساختہ میری تعریف میں کہے گئے چند

نہیں پارہی کہ میں کیوں روئی تھی۔  
”ارے۔ ارے۔“ سیفی بھائی گھبرائے، پھپھو بھی پریشان ہو گئیں۔ انہوں نے یکدم مجھے اپنے بازوؤں میں لے لیا۔

”کیا ہوا میری جان۔“

اور میں پھپھو کے سینے سے لگی بہت دیر تک بے مقصد روئی رہی۔ اور وہ مجھے ہلاتی رہیں

”کیا ہوا؟ کیسے درد ہے۔“ سیفی نے کچھ کہا۔ ”سیفی بھائی الگ پریشان سے کھڑے تھے۔“

”کچھ نہیں۔“ میں نے ان سے الگ ہوتے ہوئے آنسو پونچھے۔

”مجھے گھریا د آرہا ہے۔“

”تھینک گاڈ! تم تو بالکل بجی ہو یار، میں سیٹ پتا کرتا ہوں اور تمہیں گھر چھوڑ آتا ہوں۔“

”نہیں۔ ابھی گھر نہیں جانا۔“ میں نے فوراً منع کر دیا۔

”کمال ہے۔“ وہ ہنس پڑے۔

”گھر بھی یاد آرہا ہے اور گھر بھی نہیں جانا چاہتی ہو۔“

”وہ ابھی نجو چچا کے پاس رہنا ہے نا۔ وہ اور زارا چچی ناراض ہوں گی پھر بڑے ماموں کے گھر بھی ابھی تک نہیں گئی۔“

”تم سچ بچو نیورٹی کی ہی طالبہ ہونا۔“

انہوں نے مصنوعی حیرانی سے آنکھیں پھاڑ کر مجھے دیکھا۔ میں جھینپ گئی۔

”میں تمہارے لئے آج واپسی پر یہ مووی لایا تھا۔ بہت اچھی آرٹ مووی ہے۔ تم انجوائے کرو گی۔ اور وہی دینے آیا تھا تمہیں، کیونکہ آج میں تمہیں کمپنی نہیں دے سکوں گا، کچھ فائلیں دیکھنا ہیں۔“

میں نے مووی لے لی۔

”اصل میں پتا ہے کیا ہے۔“ ان کے لہجے میں شفقت تھی۔

”تم بور ہو رہی ہو۔ یہاں تمہاری ہم عمر کوئی لڑکی بھی تو نہیں ہے۔“

کتنا کہا تھا بھائی صاحب کو حطاط یا رعبہ میں سے

جملے میں بار بار دل میں دہراتی ہوں اور لطف لیتی رہتی ہوں، میں پہلی دفعہ پھپھو کے گھر جا کر رہی تھی۔ پھپھو نے مجھے بہت خوبصورت سوٹ لے کے دیئے ہیں اور سیفی بھائی نے میری پسند سے خرید کر دیئے ہیں اور خود اپنی طرف سے سیفی نے مجھے محسن نقوی کی ”غذاب دید“ دی ہے جس کے پہلے صفحہ پر انہوں نے لکھا ہے۔

”پاری سی ربا کے لئے پہلی بار اپنے گھر آنے پر“ اور ان کے قلم سے لکھا ہوا یہ جملہ میں نے کوئی سینکڑوں بار پڑھا ہے اور ہر بار ہی دل میں ایک خوشی اور مسرت کا نامعلوم سا احساس جاگا ہے۔ اور میں نے محسن نقوی کی ”غذاب دید“ کو کوئی تین بار پڑھ لیا ہے اور یہ شاعری کی پہلی کتاب ہے جو میں نے پڑھی ہے اور مجھے پہلی بار احساس ہوا ہے کہ شعر کسے دل میں اتر جاتا ہے اور شاعر کا ہاتھ کس طرح زندگی کی نبض پر ہوتا ہے میں نے نجو چچا کے ساتھ جا کر طارق روڈ پر نادر بک ہاؤس سے تین چار شعری مجموعے لئے ہیں۔

”خیریت۔“ نجو چچا کو حیرت ہوئی۔

”یہ شوق کب سے چرایا۔“

”سیفی بھائی کے پاس بہت اچھا کولیکشن ہے وہاں کچھ کتابیں دیکھیں اچھی لگیں۔“

پھپھو کے گھر سے آکر اور نجو چچا کی پاری سی بیٹی کی پاری پاری باتیں بھی مجھے خوش نہیں کر سکیں تو میں نے گھر فون کیا، ”مہی گھر پر نہیں تھیں اور سونی اسی وقت کورٹ سے آیا تھا۔ میں نے کوئی گھنٹہ بھریات کی“ سونی نے سونی کا اسی روز موصول ہونے والا پورا خط مجھے بڑھ کر سنایا۔

”نجو چچا کا کباڑا کر دیا تم نے۔ اتنے فاصلہ سے اتنی لمبی کال۔“

لیکن اتنی لمبی کال کے باوجود میں اداس تھی۔

میں خالہ جان کے ہاں چلی گئی۔

مصباح سے ہی پتا چلا کہ عمی بھائی اگرچہ پڑھائی سے فارغ ہو گئے ہیں لیکن فی الحال ان کی آمد متوقع نہیں ہے کیونکہ ان کا پروگرام سیو نفرنگ کا ہے کم از کم

چھ ماہ مزید۔  
”یعنی چھ ماہ مزید انتظار۔“ میں نے مصباح کو چھیڑا۔  
”وہ شرمائی۔“

”مصباح! تمہیں سونی سے بہت محبت ہے۔“

”پتا نہیں۔“ اس کی پللیں جھک گئیں۔

مصباح اور میں تقریباً ”ہم عمری“ ہیں۔ اس نے لی اے کے بعد تعلیم کا سلسلہ ختم کر دیا ہے۔ اور مختلف کورسز

وغیرہ کر رہی ہے۔

”مصباح! اگر سونی سے خدا نخواستہ تمہاری شادی نہ ہو سکے تو۔“

”خدا نہ کرے رہا۔“ اس کا رنگ زرد پڑ گیا۔

”میں نے ہوش سنبھالتے ہی اسے سوچا ہے اور میں اس کے علاوہ کسی اور شخص کے ساتھ زندگی گزارنے کا سوچ بھی نہیں سکتی۔“

”اور شاید حزنہ آپا نے بھی سیفی بھائی کے ساتھ زندگی گزارنے کا سوچا ہو اور اگر ان کی شادی عمی بھائی سے ہو گئی تو کیا وہ خوش رہ سکیں گی۔“

”رہا۔“ مصباح کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

”مجھے بتاؤ چہیز کیا بات ہے، دیکھو مجھ سے کچھ مت چھپاؤ۔ کیا سونی نہیں اور شادی کرنا چاہتا ہے کیا اپنی اس کلائنٹ سے وہ وہ میڈم رباب۔“

”اوہا گل۔“ میں ہنس دی۔

”تم کتنی وہمی ہو مصباح! میں نے تو یونہی پوچھا تھا تمہاری کھبتوں کا اندازہ کرنے کے لئے۔“

”اگر سونی نے بے وفائی کی تو میں۔ میں تو مر جاؤں گی رہا۔“

”خدا نہ کرے۔“ میں نے اس کا ہاتھ تھپتھپایا۔

اور پھر وہ دن مصباح کے گھر رہ کر میں پھپھو کی طرف چلی آئی۔ پھپھو مجھے دیکھ کر بہت خوش ہو میں اب واپسی کا سوچ رہی ہوں۔ نجو چچا نے کہا ہے۔ وہ ایک ہفتے تک مجھے واپس چھوڑ آئیں گے سوچا آپ سے ملنے چلی آؤں۔“

”میں خود سیفی سے کل ہی کہہ رہی تھی کہ تمہارا پتا کرے۔“

”پھپھو! آپ چلیں تا میرے ساتھ۔ ہمارے



”تمہارا فون ہے رہا۔“ انہوں نے فون اٹینڈ کر کے ریسیور میری طرف بڑھا دیا۔

دوسری طرف سونی تھا اور اہم خبر جو اس نے دی وہ حمزہ آپا کی آمد کی تھی۔ ”نہی! حمزہ آپا آتی ہوئی ہیں کیلا؟“ فون پر میری آواز اتنی بلند تھی کہ سیفی بھائی جو مجھے ریسیور دے کر پھر کتاب کی طرف متوجہ ہو گئے تھے چونک کر مجھے دیکھتے لگے۔

”ہاں اور مزے کی بات یہ ہے کہ انہیں لاہور میں جاب مل گئی ہے لیکچررشپ کی۔“ سونی نے بتایا تو مجھے بے حد خوشی ہوئی کہ اب گھر میں دہی ویرانی نہیں رہے گی۔ ”یہ بہت اچھی خبر سنائی ہے تم نے سونی! اچھی حمزہ آپا کے چلے جانے سے کیسی ویرانی ہو گئی تھی گھر میں، حالانکہ وہ کتنا کم بولتی تھیں پھر بھی کیسی رونق سی رہتی تھی گھر میں ہے نا۔“

میں مسلسل بول رہی تھی اور سیفی بھائی کا بورا دھیان میری طرف تھا اور جب سونی کو خدا حافظ کہہ کر میں نے ان کی طرف دیکھا تو وہ ہولے ہولے مسکرا رہے تھے۔

رہا! تم نے کتنی صحیح اور سچی بات کی۔ کچھ لوگ ہوتے ہیں ایسے جو کم بولتے ہیں پھر بھی آس پاس ہوں تو رونق رہتی ہے۔ چراغوں کا گماں ہوتا ہے ادھر ادھر ہو جائیں تو ویرانی اور اندھیرا ہو جاتا ہے۔ ”ہاں یہ تو ہے۔ حمزہ آپا گاؤں چلی گئیں تو جی ہی نہیں لگتا تھا گھر میں۔“

”تمہیں حمزہ سے بہت پیار ہے۔“ ”بہت زیادہ۔“ میں نے سچے دل سے کہا۔ ”وہ ہے ہی ایسی۔“ انہوں نے زور لب کہا۔ ”اب مزے ہوں گے۔“ میں حمزہ آپا کے اپنے ہاں آکر رہنے کے خیال سے بہت خوش ہو رہی تھی۔ ”اب وہ لاہور ہی رہیں گی زیادہ چٹھیوں میں جایا کریں گی گھر۔“ انہوں نے جاب کر لی ہے۔ ”اچھا۔“ سیفی بھائی کو حیرت ہوئی۔ ”کیا جاب۔“

ساتھ آکر رہیں۔“ میں نے اصرار کیا۔ ”سیفی کو تکلیف ہوگی کھانے کی اور پھر سچ تو یہ ہے کہ سیفی کے بغیر میں کیسے رہ ہی نہیں سکتی۔“ ”اب سیفی بھائی کی شادی کرویں نا آپ۔“ ”ہاں سوچ رہی ہوں۔ اب کے گاؤں جاؤں گی تو بھائی صاحب سے بات کروں گی۔“ ”مگر آپ تو کہہ رہی تھیں وہ سیفی سے چڑتے ہیں پسند نہیں کرتے انہیں۔“

”ہاں لیکن اپنے سیفی کی خوشی کے لئے ان کے پاؤں بھی پکڑنے پڑے تو پکڑ لوں گی اور پھر ماشاء اللہ سیفی اتنی بڑی پوسٹ پر ہے اور آگے ترقی کے امکانات بھی ہیں وہ انشاء اللہ انکار نہیں کر س کے پھر کنیز فاطمہ کی بھی تو مرضی ہے۔“ ”نہیں پورا کیہیں تھا۔ میں چپ سی بیٹھی رہ گئی۔ میرا جی چاہا کہ انہیں بتا دوں کہ تمہی نے حمزہ آپا کے لئے سیفی بھائی کی بات چلائی ہے۔ لیکن میں نے کچھ نہیں کہا اور میں عجیب سی کیفیت میں گھری بیٹھی رہی۔“

پتا نہیں پیچھو کیا کیا باتیں کرتی رہیں میں نے سنی ہی نہیں۔ میرا دل ذہن سماعتیں گویا سب جیسے اس نا معلوم کیفیت کی زد میں آکر پتھر ہو گئے تھے۔ شام کو پیچھو لیکن میں تھیں تو میں نے چاہا کہ ان کی کچھ مدد کرواؤں لیکن انہوں نے مجھے زبردستی بھیج دیا۔ ”میں نے صبح ہی سب کر لیا تھا۔ تم جاؤ۔ سیفی لی وی لاؤنچ میں ہو گا اس سے باتیں کرو میں بھی آتی ہوں۔“

سو میں لی وی لاؤنچ میں آگئی لی وی بند تھا اور سیفی بھائی کتاب پڑھ رہے تھے۔ ”تو آپ واپس جا رہی ہیں۔“ مجھے دیکھ کر انہوں نے کتاب بند کر دی۔

”جی ہاں واپس تو جانا ہی ہوتا ہے جانے والوں کو ایکسٹن۔“ اور جانے والوں کو کہاں روک سکا ہے کوئی۔ ”مسکرائے اور میرے دل میں جیسے لمحہ بھر کے لیے کچھ خوشگوار سی دھڑکنیں بیدار ہوئیں تب ہی فون کی بیل بج اٹھی۔“

”راہ!“ جانے سے پہلے انہوں نے مجھ سے کہا۔  
 ”حزہ سے کتنا حوصلہ رکھے“ کتنا عام سا سادا سا  
 اور معمولی سا جملہ ہے لیکن اس سادا سے عام سے  
 معمولی سے جملے نے میرے اندر پچھل بچادی۔ پتا نہیں  
 کہاں سے سمندر ابل پڑے۔ میں سب سے معذرت  
 کر کے اپنے کمرے میں چلی آئی اور کتنی ہی دیر تک  
 بے آواز روٹی رہی اور مجھے خود بھی اپنے رونے کا کوئی  
 حقیقی سبب معلوم نہیں مجھے تو خوش ہونا چاہیے کہ  
 میں اتنے دنوں بعد اپنے گھر جا رہی ہوں۔ اپنے  
 مئی ڈیڈی اور سونی کے پاس میں ان سب کے لیے کس  
 قدر افسردہ ہو رہی تھی۔ لیکن پتا نہیں کیوں دل پر  
 بڑا بوجھ سا ہے۔ ڈائری میں اتنا کچھ لکھنے کے بعد بھی  
 بوجھ کم نہیں ہوا۔ جی چاہتا ہے روٹی رہوں جیسے میرا  
 کچھ کھو گیا ہو۔ کوئی بہت قیمتی چیز میرے وجود کا کوئی  
 حصہ ایسا دکھ تو میں نے کبھی بھی محسوس نہیں کیا جب  
 میرا پارا ڈوکی مرا تھا جب بھی میں تھوڑا سا روٹی تھی  
 اور بس پھر مئی مجھے آنسو کھلانے لے گئی تھیں  
 اور جب نزی آئی کی شادی ہوئی تھی تب بھی نہیں۔  
 پھر یہ کیسا دکھ تھا جو دل کو بچھین رہا تھا اور سمجھ میں نہیں  
 آیا کہ کیا ہے اور کیوں۔“

\*\_\*\_\*

18 اگست 1990ء

بارشوں کے موسم میں  
 ایک بے نمو خواہش  
 کھڑکیوں سے لگ لگ کر  
 ایک ایسے لمحے کا انتظار کرتی ہے  
 جو کبھی نہیں آتا

میں رمانہ ملک جو بہت لا ابالی لا پرواہو کرتی تھی یہ  
 کن بھول بھلیوں میں بڑ گئی ہوں۔ سب حیران ہیں  
 کہ میں اتنی سنجیدہ اتنی سکھ اور اتنی باذوق کیسے ہو گئی  
 ہوں۔ اور خود مجھے بھی نہیں پتا کہ ایسا کیوں ہے۔  
 بس مجھ پر تو ایک جنون سوار ہے کہ میں ہر فن مولا  
 تو نہیں بس حزہ آپا کی طرح پچاس ساٹھ فن مولا ضرور  
 بن جاؤں اور جب بھی سیفی بھالی آئیں تو حیران رہ  
 جاؤں اور کہیں۔

”لیکچر رشیب کی۔“  
 ”اچھا کیا مگر تعجب ہے۔ چچا جان نے اسے جاب  
 کی اجازت کیونکر دی۔“  
 ”سنا ہے بھالی صاحب دوسری شادی کے چکر میں  
 ہیں۔“ پھپھو دوپٹے سے ہاتھ پونچھتی ہوئی لاؤنج میں  
 آئیں۔

”جوتار رہا تھا۔ گاؤں سے حکیم الدین آیا تھا ایک  
 روز ان کے پاس اپنے کسی کام سے وہی بتا رہا تھا۔“  
 ”اب اس عمر میں۔“ سیفی بھالی کی پیشانی پر  
 ناگواری سے لکیریں سی پڑ گئیں۔

”بیٹے کی تمنائیں خوار ہو رہے ہیں۔“  
 ”آٹھ بیٹیاں ہو گئیں۔ اب انہیں قسمت پر شاکر  
 ہو جانا چاہیے۔“ ان کے لہجے میں ہنوز ناگواری تھی۔  
 ”میں بات کروں گا ان سے۔“

”سیفی بیٹا! وہ ویسے ہی تم سے ناراض رہتے ہیں۔  
 خواہ مخواہ کوئی بات نہ کرنا ان سے۔“

”اور ان سب کو‘ حزہ‘ ربیعہ‘ فاکہ سب کو دکھی  
 ہونے دوں۔ میں ضرور بات کروں گا آپ نے مجھے  
 پہلے کیوں نہیں بتایا۔ تب ہی حزہ نے جاب کی ہے۔  
 شاید وہ برسات آنے سے پہلے چھتوں کی مرمت کی  
 قائل ہے۔“

”حزہ بے چاری جاب نہ کرے تو کیا کرے۔ بچیوں  
 پر پیسہ خرچ کرتے تو بھالی صاحب کی جان نکلتی ہے۔  
 اپنی باری صورتیں لیکن کبھی جو ڈھنگ کا کپڑا لا کر دیا  
 ہوا نہیں۔ سمجھتے ہیں جو بیٹیوں پر خرچ ہوا ضائع کیا۔“  
 سیفی بھالی ایک دم اٹھ کر لاؤنج سے باہر چلے گئے۔  
 ”بچپن سے ہی کڑھتا آیا ہے چچا کی حرکتوں پر  
 بہنوں کے لیے الجھتا بھی انہی کے لیے تھا چچا۔“

پھپھو نے ایک لمبھڈی سانس بھری۔  
 ”بے چاری بھالی کینز فاطمہ نے بھی جلتے انگاروں پر  
 چل کر زندگی گزار لی ہے۔“

وہ ہولے ہولے حزہ آپا کی امی اور بابا کے متعلق  
 بتانے لگیں اور میرا دل حزہ آپا کے لیے گداڑ ہوتا رہا۔  
 اور آج جب سیفی بھالی مجھے تجو چچا کے ہاں چھوڑنے  
 آئے تو بہت چپ چپ تھے۔



”راہ! تم مجھے بہت حیران کر رہی ہو اور تم تو بالکل  
حزہ جیسی لگ رہی ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ پاری۔  
اور سونی نے کتنی بار آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر مجھے دیکھا

”یہ تم کراچی جا کر کچھ بدل نہیں گئی ہو۔“  
پتا نہیں مجھے تو کچھ احساس نہیں ہوتا۔ لیکن شاید  
باقی سب محسوس کرتے ہیں اور کیا آدمی کے اندر  
ہونے والی تبدیلیوں کا اثر ظاہر ہر بھی ہوتا ہے۔ میں  
نے کئی بار اپنے آپ کو آئینے میں ہر زاویے سے دیکھا  
ہے لیکن مجھے تو اپنے آپ میں بظاہر کوئی تبدیلی  
محسوس نہیں ہوتی۔ پتا نہیں سونی کیوں اس طرح کہتا  
ہے اور میرے اندر... باہر تو جانے کیا کچھ بدل گیا ہے  
جیسے بھونچال آجائے اور سب کچھ ٹپٹ ہو جائے۔  
اور کچھ سمجھ میں نہ آئے کیا کچھ بدل گیا ہے کہ کیا کچھ  
بدل گیا ہے اگر حزہ آیا یہاں ہو میں تو میں ان سے  
ضرور پوچھتی لیکن حزہ آیا تو اسی دن چلی گئی تھیں جب  
میں کراچی سے آئی تھی وہ جانے کو تیار تھیں۔ مجھے  
بہت افسوس ہوا تھا۔

”کلاسز تو ستمبر سے شروع ہوں گی ابھی تو میں صرف  
آرڈر لینے آئی تھی اور شاید میں ہاسٹل میں رہوں اب  
کے“

”کیوں۔“

”ایا کہہ رہے تھے۔“

”ہرگز نہیں۔“ ممی نے فیصلہ سنایا۔

”اپنا گھر ہوتے ہوئے ہاسٹل میں رہنے کی کیا تک  
ہے بھلا اور میں خود بات کر لوں گی بھائی صاحب  
سے۔“

”حزہ آیا۔“ میں نے بہت غور سے انہیں دیکھا۔ وہ  
بہت زرد و لگ رہی تھیں۔

”خیریت تو ہے ناں آپ بہت کمزور لگ رہی  
ہیں۔“

”ہاں کچھ بیمار تھی۔“

اور ہاں۔ ”ممی کے جانے کے بعد میں نے انہیں  
بتایا۔“

”وہ سیفی بھائی کہہ رہے تھے کہ حزہ سے کہہ دیتا“

حوصلہ رکھے۔“

حزہ آیا کی نظریں بے اختیار میری طرف انہی  
تھیں اور پھر جھک گئی تھیں لیکن اس ایک لمحے میں  
میں نے ہزاروں رنگ ایک ساتھ ان کی آنکھوں میں  
دکھتے دیکھ لے تھے اور چہرے کی زردیوں میں لپکا سا  
گلابی رنگ جھلکنے لگا تھا اور میرا دل جیسے کسی نے منہ  
میں لے کر ہولے سے دبا کر چھوڑ دیا تھا۔  
یونیورسٹی تو یکم ستمبر سے کھلے گی اور دن کس قدر دور  
گزر رہے ہیں حالانکہ ان بیتے دنوں میں میں نے بے  
شمار کتابیں پڑھ ڈالی ہیں۔

”حتیٰ کہ شیکسپیئر کے Hamlet اور  
Othello کو بھی پہلی بار تو وہ مجھے کوئی خاص پسند  
نہیں آئے۔ ایک تو اتنی اولڈ انگلش تھی اس میں لیکن  
جب دوسری بار پڑھا تو بہتر لگا۔“

جس حساب سے میں نے کتابوں کی خریداری کی  
ہے۔ سونی کے بقول وہ مارے حیرت کے مرتے مرتے  
بچا ہے۔

”کیا کراچی میں بہت اہل ادب رہتے ہیں۔ اور  
وہاں کے بانی میں کیا اتنی ہی تاثیر ہے راکہ تم اپنی ادب  
شناس ہو گئی ہو ایک دم چند دنوں میں۔“

اور وہ کیا جانے کہ بعض اوقات کوئی ایک لمحہ زندگی  
کا پورا پیرن بدل کر رکھ دیتا ہے اور مجھے گورس کے  
علاوہ کچھ پڑھنا کس قدر پورا کام لگتا تھا۔ حزہ آیا اکثر کوئی  
نیا کوئی کتاب اٹھائے رکھتی تھیں اور مجھے انہیں ہوتی  
تھی۔

”پچی حزہ آیا آپ جھلکی نہیں ہیں۔“ وہ مسکرا  
دیتیں۔

اور شعر تو میرے سر پر سے گزر جاتے تھے بالکل  
کلاسیکل موسیقی کی طرح۔

اور اب ہر شعر اپنے اندر کتنے مفہوم لیے محسوس  
ہوتا ہے جیسے شاعر نے ہمارے ہی دل کی واردات کہہ  
دی ہو اور سونی نے یہ حیرت انگیز خبر سونی کو بھی سنائی  
تھی۔ اس روز سونی کا اچانک فون آیا تھا اور جب سے  
وہ سناچن گیا تھا۔ یہ دوسری بار اس کا فون آیا تھا۔

”یار! ایک حیرت انگیز نیوز ہے۔“

سونی کو خواجواہ مسپنس پھیلائے کا شوق تھا۔  
حالانکہ ایسی کوئی حیرت انگیز بات بھی نہیں تھی۔  
”یار! اپنی رہا بڑی انٹلیکچوئل ہو گئی ہے۔“  
”یعنی تمہارا مطلب ہے۔ کھولی کھولی رہنے لگی  
ہے۔ خلاؤں میں دیکھتی رہتی ہے۔“ سونی نے اپنی  
لفت کے حساب سے مطلب نکالا۔

”نہیں جج جج انٹلیکچوئل ہو گئی ہے۔ تم آؤ  
مے نا تو پھر اس کا انتخاب دیکھنا یا ساری پلٹ منی  
بکس پر خرچ کر دی ہے۔ بلکہ جمع جتنا بھی اس شوق  
کے نذر ہو چکا ہے اس کی شیافت میں کتابیں ہی  
کتابیں بھری ہیں۔“

”ابن صفی کے جاسوسی ناول ہوں گے۔ قسم سے  
آج بھی بڑھنے بیٹھو تو چھوڑنے کو دل نہیں چاہتا۔ ایسا  
کردار اچھے چھ سات عمران سیریز بھجوا دو۔“

”بھجوا دوں گا یا ر لیکن راتویہ بڑی بڑی کتابیں پڑھ  
رہی ہے۔ سونی مولی بڑے بڑے ادبوں اور شاعروں  
کی شیکسپو، برنارڈ شاہ مولی، Sorry مجھے مزید  
نام نہیں آتے۔“

”رہا! کیا واقعی تم بہت بدل گئی ہو۔“ وہ جانتا تھا کہ  
اس وقت میں ایکسٹینشن پر ہوں۔ سونی نے اس کا  
فون آنے پر جج کر مجھے ایکسٹینشن اٹھانے کو کہا تھا۔  
”ہاں! آؤ بھی سوچو کچھ نکل آئی ہے میری۔“

سونی کی باتوں پر میں جڑھ گئی تھی۔  
”یہ تو سراسر تبدیلی جنس کا کیس ہے آف سونی کچھ  
کرو یا ر! ہم اپنی پیاری سی بہن کو ہرگز نہیں کھونا  
چاہتے۔“

وہ اتنی دور سے اور اتنے دلوں بعد بات کر رہا تھا  
ورنہ تو جی چاہ رہا تھا کہ ریسپور رکھ دوں۔

”تم تھک تو ہو نا مولی۔؟“ میں نے موضوع بدلنے  
کی ناکام کوشش کی۔

”ایک دم فرسٹ کلاس لیکن یا ر! مجھے سونی کی  
بات ہضم نہیں ہو رہی ہے۔ یعنی تم اور شاعری کی  
کتابوں سے دلچسپی کس قدر متضاد باتیں ہیں یاد ہے  
نا بچپن میں اسکول میں تمہیں Speech کرنی  
تھی اور تمہیں شعر تو یاد ہی نہیں ہو رہا تھا سونی اور نزی

آئی بے چاری تمہیں شعر یاد کروا کروا کے تھک گئی  
تھیں۔ لیکن شعر تمہارے حلق سے یوں برآمد ہوتا تھا  
جیسے کوئی ٹانگہ نا ہموار اور کچی سڑک پر ہلکورے لے  
لے کر چل رہا ہو اور پھر میٹرک اور ایف اے میں تم  
حصہ نظم سے کتنا چڑتی تھیں۔“

”خواجواہ خود تو سرکھپ گئے یہ شاعر اور ہمارے  
لیے مصیبت چھوڑ گئے پھر کیا یہ ضروری تھا کہ یہ سب  
کورس میں شامل ہوتا اور یہ غالب اتنے مشکل شعر  
کیوں کہتے تھے اور میٹرک میں تو تم حصہ نظم یوں ہی  
چھوڑ آئی تھیں پیپر میں اور تمہارے صرف 37  
نمبر تھے اردو الف میں۔“ سونی کی یادداشت غصہ کی  
تھی۔ سونی اس کی ہر بات پر تائید میں ہاں بالکل صحیح  
کہہ رہے ہو تم دہرا رہا تھا۔ تب ہی مٹی آگئیں۔  
”مٹی مولی کا فون ہے۔“

میں نے انہیں بلا کر ریسپور ان کے ہاتھ میں دے  
دیا اب کیا یہ ضروری ہے کہ آدمی تمام عمر یوں ہی نا اہل  
رہے اور کوئی بھی شوق کسی بھی عمر میں ہو سکتا ہے۔  
لیکن سب خواجواہ حیران ہونے کی ایکٹنگ کر رہے  
ہیں۔ اب ماریہ حیدر مجھے ملنے آئی تو میرے ہاتھ میں  
ظلیل جبران کی ”الہی“ دیکھ کر حیران ہوئی۔

”رہا! تم یہ پڑھ رہی ہو۔“  
”ہوں۔“

”یہ سب نئی بکس خریدی ہیں تم نے۔“  
اس نے ادھر ادھر میرے کمرے میں گھوم کر  
شیافت میں اور فیل بریڈی ہوئی کتابوں کو دکھا تھا۔  
”رہا! تم کچھ بدلی بدلی تمہیں لگ رہی ہو۔“

”ہاں شاید میرا ہیرا سائل بدل گیا ہے اس لیے۔“  
”ہاں یا ر! تم بال سیٹ کروالو۔ بہت اچھے لگتے تھے  
تمہارے چہرے پر بہت انونٹ لگتی تھیں۔ اور یہ تم  
اعتکاف میں بیٹھی ہو کیا۔ ساری چھٹیوں میں ایک دن  
جھی چکر نہیں لگایا۔“

”دراصل میں کراچی چلی گئی تھی۔“

”اور کراچی سے آئے کتنے دن ہو گئے ہیں  
تمہیں۔ تم دراصل قنوطی ہو گئی ہو۔ آنٹی نے مجھے بتایا  
ہے۔ ہر وقت کمرے میں تھکی رہتی ہو چلو کل فارحہ



”سوئی! کیا تم مصباح سے محبت نہیں کرتے۔“ وہ اتنی دیر سے فون پر بات کر رہا تھا تو مجھے شک سا ہوا۔  
”کرتا ہوں سوئی صد بلکہ دو سوئی صد۔“  
”اور یہ جو تم ایک گھنٹہ سے فون سے چپے ہوئے ہو۔“

”یہ بس ایسے ہی۔“ وہ ہنس دیا۔  
”رباب ہے۔“

”نہیں.... وہ تو مصباح نے قسم دے دی تھی کہ آئندہ اس سے بات نہیں کرے گی۔ مگر یاد دہشت آتی ہے بڑی خوب صورت باتیں کرتی تھی۔ اور آواز تو اتنی خوب صورت تھی کہ بندہ بس سنتا ہی رہے۔“ اس نے ٹھنڈی سانس بھری۔ اور یہ تو شینا ہے والد فوت ہو چکے ہیں۔ کرایہ دار مکان خالی نہیں کر رہے۔ اور نہ ہی کرایہ دیتے ہیں۔ اس سلسلے میں آئی تھی اور دوستی ہو گئی۔

”سوئی! تم مصباح سے محبت کرتے ہو پھر یہ رباب‘ یہ شینا۔“

”کچھ نہیں بس یہ تو یونہی دل لگی ہے۔ جسٹ فار پاسنگ ٹائم اور پھر شینا نے خود مجھے دوستی کی آفر کی ہے۔“

”اور اگر اس دل لگی میں کوئی سیریس ہو گیا تو۔“  
”نہیں کوئی سیریس ویریس نہیں ہوتا۔ رہا یہ بس یونہی ہی ہے اور دیکھو مصباح کو مت بتانا۔ چلتا ہے سب۔ اور مصباح تو مصباح ہے۔ یہاں دل میں اور اس کی جگہ کوئی نہیں لے سکتا۔“ اور یہ نہیں سوئی کی یہ کیا زالی منطق ہے اور پہلے تو وہ ایسا نہیں تھا۔ میں بیزار ہو کر اٹھ آئی تھی اور سوئی پھر نمبر ملانے لگا تھا۔ کس قدر بیزار طویل اور لمبے دن ہیں نہ دن کھلتا ہے اور نہ رات اور آج موسم کتنے غضب کا ہو رہا ہے ابھی کچھ دیر پہلے میں کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔ ذرا دیر کو سورج کی جھلک نظر آئی تھی اور پھر رات آگئے۔ بادلوں سے گھرا آسمان ہلکی سی دھوپ اور ساتھ ہی بارش کی پھوار کتنا اچھا لگ رہا تھا۔

اور ایسے میں دل میں کیسی انہونی خواہش پیدا ہو رہی ہے اور میں راتوں میں کس سمت چل پڑی

کی طرف چلتے ہیں میں فائزہ کو بھی فون کر دوں گی۔ نیلم نے بتایا تھا فون کر کے کہ ان دنوں وہ مکے آئی ہوئی ہے اور بہت خوش ہے اپنے اس مخمخو گرجوٹ کے ساتھ۔ ایک بات ہے رہا لڑکیاں پہلے کیسے بھی آئینڈل کیوں نہ بنالیں جب شادی ہو جاتی ہے تو جیسا بھی ٹیڑھا میٹر حابندہ مل جاتا ہے اسی سے محبت کرنے لگتی ہیں۔ اب دیکھو نا اس فارحہ کو کیسے کیسے خواب دیکھا کرتی تھی ادب بقول نیلم کے اتنی خوش ہے۔

”کیا سچ ایسا ہی ہوتا ہے ماریہ۔“  
مجھے اس کی اس بات سے بڑی تقویت ہوئی تھی۔ جیسے دل کو یقین آگیا ہو کہ حنزہ آپا غنی بھائی کو شادی کے بعد پسند کرنے لگیں گی۔  
”چنانچہ نیلم تو یہی کہہ رہی تھی۔“

اور میں نے ماریہ کے ساتھ فارحہ کی طرف جانے کا پروگرام بنایا تھا لیکن آج صبح سے ہی بارش ہو رہی ہے۔ اور بارش کا موسم اور بھی اداس اور اکیلا کر رہا ہے۔ اسقدر بوریٹ ہو رہی ہے۔ سوئی گھر پر ہی ہے آج نہ تو وہ کورٹ گیا ہے اور نہ ہی اس کا جیمبر جانے کا ارادہ ہے۔ میں اس کی طرف گئی تاکہ اس سے باتیں کر کے بوریٹ دور ہو۔ کارڈز کھیلیں یا کچھ اور ہی می بھی گھر نہیں ہیں۔

وہ اور ڈیڈی کل سے اسلام آباد گئے ہیں اپنے کسی دوست کے بیٹے کی شادی میں شرکت کرنے۔ لیکن سوئی تو فون گوڈ میں رکھے باتیں کر رہا تھا۔ اور یہ بتا نہیں سوئی کو کیا ہو گیا ہے۔ میں لمحہ بھر وہاں رکی تو اس نے اشارے سے پوچھا۔

”کیا ہے۔“  
”کچھ نہیں۔“

اور میں واپس چلی آئی۔ گھنٹہ بھر بعد پھر گئی تو وہ تب بھی فون سے چمٹا ہوا تھا۔ اور کوئی برا رومینٹک سا شعر پڑھ رہا تھا۔

”رٹ کر دیا ر! کچھ دیر بعد پھر کرتا ہوں۔“ وہ بہت فریٹ لگ رہا تھا۔

”کس کا فون تھا۔“ میں نے پوچھا۔  
”ہے ایک دلربا۔“

ہوں خود بھی نہیں جانتی۔

”سینفی بھائی۔“ میرا دل دھک سے رہ گیا۔  
”ہاں سینفی بھائی نے صبح کو رٹ فون کیا تھا، اپنے  
آفس کے کسی کام سے آئے ہیں، شام کو فارغ ہو کر  
ادھر آئیں گے۔“

میرا آئینہ میرے رو بہ رو  
کوئی ربط جس میں نہ میں نہ تو  
کیا بات کسی ہے رہا تمہارا ذوق کافی بہتر ہو گیا  
ہے۔“

وہ مزے لے رہا تھا۔  
”حزہ آیا تو اپنی ڈائریاں چھپا کر رکھتی تھیں۔ اب  
دیکھیں گے یہ لڑکیاں آخر اپنی ڈائری میں کیا لکھتی  
ہیں۔“ اور اس سے کوئی بعید بھی نہیں تھا کہ وہ سب  
کے سامنے براہنا شروع ہو جاتا۔  
”فار گاڈ سولی! تمہیں مصباح کی قسم یہ واپس  
کر دو۔“ مجھے بروقت سوجھ گئی اور اس نے ایک دم  
مجھے ڈائری واپس کر دی۔

”یہ فاول ہے رہا! اور تم نے میری کمزوری سے  
نا جائز فائدہ اٹھایا ہے ورنہ۔“  
وہ مجھے دکھاتا ہوا چلا گیا ہے اور میں ابھی تک کچھ  
کچھ حیران سی بیٹھی ہوں، سولی کو میں سمجھ نہیں پاتی،  
محبت مصباح سے کرتا ہے۔ شادی مصباح سے کرے  
گا اور گھنٹوں فون پر لڑکیوں سے گپیں لگاتا ہے اور اب  
تو اکثر رات کو بھی اس کا فون بڑی رہنے لگا ہے۔

حزہ آیا کے کالج میں آج وہ ٹیچر پارٹی تھی فرسٹ ایر  
کی اور انہوں نے بتایا تھا وہ در سے آئیں گی اور میں  
نے سوچا تھا چلو ڈائری میں یہ نظم لکھ لوں کتنے دنوں  
سے کٹنگ فائل میں رکھی ہوئی تھی کہ سولی نے آکر  
اور یہ سولی کیا کہہ رہا تھا سینفی بھائی۔

میرا دل یکبارگی زور زور سے دھڑکنے لگا۔ کاش  
ابھی اسی وقت سینفی بھائی آجائیں حزہ آیا کے آنے  
سے پہلے۔

پتا نہیں کیوں میرا دل چاہ رہا ہے۔ حزہ آیا اکتیس  
اگست کی شام کو ہی آگئی تھیں اور مزید کمزور ہو گئی  
تھیں۔

”حزہ آیا! لگتا ہے وہاں آج کل قحط پڑا ہوا ہے۔“

کوئی ایک شخص تو یوں ملے کہ سکوں ملے  
کوئی ایک لفظ تو ایسا ہو جو قرار ہو  
کہیں ایسی رت بھی ملے ہمیں جو بہار ہو  
کبھی ایسا وقت بھی آئے کہ ہمیں پیار ہو  
کوئی ایک شخص تو یوں ملے کہ چراغ جاں  
اسے نور دے اسے تاب دے بنے کہکشاں  
کوئی غم ہو جس کو کہا کریں غم جادواں  
کوئی یوں قدم ملائے کہ بنے کارواں  
کوئی ایک شخص تو یوں ملے کہ سکوں ملے  
میرے راہ گزر خیال میں کوئی پھول ہو  
میں سفر میں ہوں میرے پاؤں پہ بھی دھول ہو  
مجھے شوق ہے کبھی مجھ سے بھی کوئی بھول ہو  
غم بھر ہو شب تار ہو بڑا طول ہو  
کوئی ایک شخص تو یوں ملے کہ سکوں ملے  
کہ جو عکس ذات ہو ہو ہو ہو  
میرا آئینہ میرے رو بہ رو  
کوئی ربط جس میں نہ میں نہ تو  
کرامشی کوئی گفتگو  
کوئی ایک شخص تو یوں ملے کہ سکوں ملے

جواد اشرف کی یہ نظم میں نے ایک سنڈے  
میگزین میں دیکھی تھی اور مجھے بہت اچھی لگی تھی اور  
آج ابھی کچھ در پہلے میں اسے اپنی ڈائری میں لکھ رہی  
تھی کہ نہ جانے کب سولی چپکے سے میرے پیچھے آکر  
کھڑا ہو گیا۔ اور اس نے چپکے سے ڈائری اچکی۔  
”سولی۔“ میں نے اس سے ڈائری چھیننا چاہی تو  
اس نے ایک دم پیچھے ہٹ کر ہاتھ اونچا کر لیا۔

”واہ واہ۔“

”کوئی ایک شخص تو یوں ملے کہ سکوں ملے۔“

”سولی۔“ میں رو ہانسی ہو گئی۔

”میری ڈائری مجھے واپس کر دو۔“

”نہیں یہ ڈائری تو اب شام کو پڑھی جائے گی۔“

جب حزہ آیا کالج سے آئیں گی اور سینفی بھائی۔



سونی نے انہیں چھیڑا تھا۔ وہ مسکرا دی تھیں لیکن ان کی مسکراہٹ بڑی پھینکی پھینکی سی تھی۔ مئی کو بھی تشویش ہوئی تھی۔  
”بیٹا! اپنا خیال رکھا کرو۔ یہ کیا حلیہ بنا رکھا ہے تم نے۔“

انہوں نے معمول سے زیادہ پیار کیا تھا ان کو اور اس روز رات کے کھانے کے بعد خلاف معمول مئی بہت دیر تک ہمارے ساتھ ٹی وی لاؤج میں بیٹھی رہی تھیں۔ اور انہوں نے غفی بھائی کے بچپن کی بہت ساری باتیں کی تھیں۔ ان کی عادات کی ان کی دریا دلی اور ہمدرد طبیعت کی ان کی سادگی کی۔

”اور آپ نے غفی بھائی کو خواہنا ہر بھیج کر بہت ساری خوبیوں سے محروم کر دیا ہے۔“  
سونی کو تو بلا سوچے سمجھے بولنے کی عادت تھی۔ مئی نے غفی کی نظروں سے اسے دیکھا۔  
”میرا غفی آج بھی لاکھوں میں ایک ہے۔ دیکھ لو امریکہ میں رہ کر سکرٹ تک نہیں پیتا۔“  
”ہاں بھئیے کو اور بھی تو بہت کچھ ہوتا ہے۔“

مئی کا رنگ سرخ ہو گیا۔  
”غفی میں ایسی کوئی فضول عادت نہیں ہے۔ اور سونی! تم بہت بولتے ہو فضول۔“

”مئی میں تو یونہی کہہ رہا تھا۔ غفی بھائی کے لیے تو نہیں کہہ رہا تھا۔“ سونی نے جھٹ ان کے گلے میں بائیں ڈال کر انہیں منا لیا۔ رات کو جب ہم دونوں اپنے کمرے میں آئے تو درمیان والا دروازہ کھولتے ہوئے میں نے حمزہ آپا سے پوچھا۔

”حمزہ آپا! آپ ادھر آئیں گی یا میں ادھر آ جاؤں۔“  
”تم ہی آ جاؤ رہا۔“ وہ بہت تھکی تھکی لگ رہی تھیں۔

”میں نے تو سوچا تھا اتنے دنوں بعد ملے ہیں۔ بہت دیر تک باتیں کریں گے۔ میں نے بہت اچھی اچھی بکس خریدی ہیں آپ کو دکھاؤں گی لیکن آپ بہت تھکی ہوئی لگ رہی ہیں۔“

ان کے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے میں نے غور سے انہیں دیکھا۔

”اور آپ کیا پھر بیمار ہو گئی تھیں؟“  
”بیمار تو نہیں تھی رہا! لیکن شاید تھک بہت مئی ہوں۔ بہت سفر کیا ہے میں نے۔“ ان کی آنکھیں دھندلی دھندلی ہو رہی تھیں۔

”حمزہ آپا! آپ نے کبھی اپنے دل کی بات ہم سے نہیں کی، اتنا عرصہ ہمارے ساتھ رہیں۔ کبھی اپنے اپنے گھر والوں کے متعلق بات نہیں کی۔“ میں نے ان کا ہاتھ تھام لیا۔

”اتنی پیاری پیاری بہنیں ہیں آپ کی۔ کبھی ان کی بھی بات نہیں کی۔ آپ ہمیں شاید اپنا نہیں سمجھتیں۔“

”نہیں... نہیں رہا ایسی بات نہیں ہے۔ بس یوں ہی کبھی ذکر ہی نہیں آیا تھا تم سب کو ہی اپنا سمجھتی ہوں۔ بہت سکون ملا ہے مجھے یہاں سب سے برہ کر بھائیوں کی محبت سونی اور مونی کے روپ میں۔“

”تو پھر بتائیں۔ آپ آج اتنی پریشان کیوں ہیں۔ مجھے اپنا سمجھیں نا۔“

”گلیا بتاؤں رہا۔“ انہوں نے بے بسی سے میری طرف دیکھا۔

”بابا نے بیٹے کی خواہش میں دوسری شادی کر لی ہے۔ اس سے پہلے بھی خوشیاں زیادہ تو نہیں تھیں لیکن کم از کم ایا صرف ہمارے تو تھے لڑتے تھے۔ غصہ ہوتے تھے مگر۔“ ان کی آنکھیں بھر آئیں۔

میں نے ہولے سے ان کا ہاتھ تھم لیا۔  
”کچھ باتیں تقدیر میں لکھی ہوئی ہیں حمزہ آپا! ان کا کرب ان کا دکھ اتنی جگہ تقدیر اور مقدر سے آدمی لڑ تو نہیں سکتا۔“

”ہاں۔“ انہوں نے آنسو پونچھے۔

اس رات انہوں نے مجھ سے بہت ساری باتیں کیں اپنی باتیں خاص اپنی ذات سے متعلق جو انہوں نے اس سے پہلے کبھی نہیں کی تھیں۔

”بابا نے ساری زندگی اماں کی عزت نفس مجروح کی اور ساری زندگی بیٹیوں کی پیدائش کا مجرم انہیں ہی ٹھہرایا۔ کبھی ہماری ضروریات کا خیال نہیں کیا۔ مگر اب تو بالکل ہی بیگانہ ہو گئے ہیں۔ سال بھر کا اتناج

بے سبزی گھر کی ہے اور کیا ضرورت ہے۔ عجیب  
باتیں کرتے ہیں ابابھی۔

پتا ہے رہا! میری جاب پر بہت واویلا مچایا انہوں  
نے۔

رہا ملک یہ محبت ہے  
اسے ہی محبت کہتے ہیں  
کسی کو سوچتے رہنا  
کسی کو جھانکتے رہنا  
محبت ہے

ہمیشہ بے خیالی میں  
کتابوں، چاند تاروں، بادلوں پر  
یا کبھی رنگوں کی لہروں پر  
کوئی سی جھلسلاتی بات لکھ رہا  
محبت ہے  
کسی کو سوچتے رہنا  
محبت ہے

\*-\*-\*

12 اکتوبر 1990ء

اس ایک مہینے میں کتنی بہت ساری باتیں بیک  
وقت رونما ہوئی ہیں اور اتنی جلدی جلدی کہ ڈائری  
لکھنے کا وقت ہی نہیں ملا حالانکہ کتنی ڈھیر ساری باتیں  
اکٹھی ہو گئی ہیں لکھنے کو مولیٰ کی اچانک آمد۔  
عظمیٰ بھائی کے مسلسل فون اور حمزہ آیا سے فوراً  
منگنی پر اصرار تاکہ ان کے آتے ہی شادی طے  
پاجائے می کا بار بار حمزہ آیا کے گھر جانا۔

حمزہ آیا کی پریشانی  
اور سیفی بھائی کی جھنجھلاہٹیں  
کتنی بار جی چاہا کہ ڈائری میں کچھ لکھوں، شاید مجھے  
بھی حمزہ آیا کی طرح لکھنے کی عادت سی ہو گئی ہے۔ جب  
تک کچھ لکھ نہ لوں، بے چینی سی رہتی ہے مگر اس ایک  
ماہ میں شدید چاہت کے باوجود کچھ لکھ ہی نہیں سکی۔  
عجیب سی کیفیت ہے جیسے آدمی عالم برزخ میں ہو یا  
کہیں خلا میں لٹک رہا ہو اور فیصلے کا منظر ہو۔

اور شاید حمزہ آیا بھی اسی کیفیت سے گزر رہی ہیں۔  
کس قدر چپ ہو گئی ہیں۔  
کچھ کہتی بھی تو نہیں ہیں۔ جانے ان کے دل میں

مگر میں نے ان سے کہہ دیا کہ مجھے ہر صورت  
جاب کرنی ہے اور میں سوچ رہی ہوں ذرا میٹھل ہو  
جاؤں تو پھر کوئی گھر کرائے پر لے کر سب کو یہاں لے  
آؤں۔ حفظہ کو تو پرہائی کا شوق نہیں ہے مگر ربیعہ  
نے اس سال انٹر کر لیا ہے۔

میں نے پہلی بار حمزہ آیا کو اتنا مضطرب اور بے  
سکون دیکھا ہے۔ حالانکہ پہلے وہ بہت پرسکون اور  
بہت مطمئن لگتی تھیں۔ اس رات حمزہ آیا نے بہت  
باتیں کیں مگر سیفی بھائی کا ذکر تیک نہیں کیا۔

ہاں پچھو کا ذکر کیا۔ ان کی تعریف کی کہ انہوں نے  
اماں کو ڈھارس دے رکھی تھی اور اب ان کے جانے  
سے اماں بہت تنہا ہو گئی ہیں۔ حوصلہ سار رہتا تھا اور  
میں نے سوچا کہ وہ جو میں نے سمجھا تھا کہ حمزہ آیا سیفی  
بھائی کو اور سیفی بھائی حمزہ آیا کو پسند کرتے ہیں۔ شاید  
میرا وہم ہے ورنہ حمزہ آیا کچھ تو ذکر کرتے ان کا۔  
اور اس رات میں بڑے دنوں بعد سکون سے سوئی  
تھی۔ ورنہ نیندیں تو جیسے اڑ رہی گئی تھیں۔

اور اب۔۔۔ اب سیفی بھائی آرہے ہیں۔  
اور میں ابھی سے ان کا انتظار کر رہی ہوں۔ گیٹ پر  
بیل ہوتی ہے تو چونک اٹھتی ہوں۔ اور دل سینے کے  
اندریوں میں گھلتا ہے جیسے باہر آنے کو بیتاب ہو اور یہ  
کیسی اندھلی اور عجیب سی کیفیت ہے ایک بالکل  
ٹامانوس اور نئی کیفیت۔

شاید۔۔۔ شاید میں سیفی بھائی سے محبت کرنے لگی  
ہوں۔ اور یہ کیسا انکشاف ہے جس نے مجھے ساکت  
کر دیا ہے۔ ایک لمحہ کو تو خود مجھے یقین نہیں آ رہا اور یہ  
محبت کب اور کیسے ہو گئی۔ مجھے خود خبر تک نہیں  
ہوئی۔

کیا خبر یہ محبت نہ ہو۔ دراصل سیفی بھائی مجھے اچھے  
لگتے ہیں سوہرے مولیٰ اور سولی سے بالکل مختلف اور  
پھر وہ میری پچھو کے بیٹے ہیں جنہیں میں نے اتنے



کیا ہے اور ان کے ابا ابھی تک کچھ واضح جواب نہیں دے رہے ہیں۔

”عفی آجائے پھر۔“

حالانکہ بقول ممی کے انہوں نے برا یقین دلایا ہے کہ عفی سے ان کی بات ہوتی رہتی ہے فون پر اور اسے کوئی اعتراض نہیں ہے مگر حمزہ آپا کے ابا نے ساری بات عفی بھائی کے آنے پر رکھ دی ہے۔

عفی بھائی کل شام کی فلائیٹ سے آرہے ہیں۔ ممی آج پھر گاؤں گئی ہوئی ہیں اور حمزہ آپا بھی ایک ہفتے سے گاؤں گئی ہوئی ہیں اور لوٹ کر آئی ہیں نہیں۔ پتا نہیں کیا بات ہے۔ ممی آئیں گی تو پتا چلے گا کہیں طبیعت نہ خراب ہو اور سیفی بھائی کا صبح سے چار بار فون آچکا ہے۔

”حمزہ کہاں ہے۔ کب آئے گی۔“

پتا نہیں وہ اتنے بے چین اور مضطرب کیوں ہو رہے ہیں۔ شاید حمزہ آپا کی وجہ سے پریشان ہیں۔ اس روز بھی وہ انہیں پریشان دیکھ کر کتنے بے چین ہو گئے تھے۔ حمزہ آپا لنکشن سے فارغ ہو کر آئیں تو بہت تھکی ہوئی تھیں۔ اس لیے سیدھی اپنے کمرے میں چلی گئی تھیں اور انہیں سیفی بھائی کے آنے کا پتا بھی تو نہ تھا۔ سیفی بھائی سولی اور میں لونگ روم میں بیٹھے کپ لگا رہے تھے کہ تب سولی کی فرمائش پر قہوہ لے کر آئی۔

”یہ حمزہ آپا ابھی تک نہیں آئیں۔ بہت دیر نہیں ہو گئی۔“ سولی نے قہوے کا کپ اٹھاتے ہوئے میری طرف دیکھا تھا۔

”ہاں دیر تو ہو گئی ہے۔“

”کیس ڈرائیور بھول تو نہیں گیا۔ تم نے اسے کہہ دیا تھا کہ آج شام کو حمزہ آپا کو لینے جانا ہے کالج۔“

سولی اس وقت کسی بھائی کی طرح ہی فکر مند لگ رہا تھا۔ یوں تو حمزہ آپا خود ہی آئی جاتی تھیں۔ زیادہ تر میں یا سولی جہاں انہیں ڈراپ کر دیتے تھے، لیکن واپسی پر وہ خود ہی آ جاتی تھیں لیکن آج چونکہ لنکشن شام کو تھا اس لیے سولی انہیں خود چھوڑ کر آیا تھا اور ان سے کہہ دیا تھا کہ وہ خود انہیں لینے جائے گا یا ڈرائیور کو بھیج دیں

مگے۔ ان کا خیال رکھنا ہمارا فرض تھا کہ اب وہ ہماری ہونے والی بھالی بھی تھیں۔

”وہ تو کب کی آئیں۔“ تبوہنسی۔ سیفی بھائی نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

”کہاں ہیں۔“

”اے کمرے میں جی ان کے سر میں درد تھا۔“

”ان کو تباؤ جا کر سیفی بھائی آئے ہیں۔“

”نہیں تبو! آرام کرنے دو انہیں۔“ سیفی بھائی نے منع کر دیا۔

”میں خود ہی جانے سے پہلے مل لوں گا۔“

سیفی بھائی کورات کی فلائیٹ سے واپس جاتا تھا۔ اور کچھ دیر بعد جب سولی اپنا ضروری فون سننے کے لیے اٹھ گیا اور میں بچن میں چلی گئی تاکہ فضل داد کی مدد کرا سکوں اور کھانا وقت پر سر ہو سکے، سیفی بھائی کھانا کھا کر جا میں تو سیفی بھائی حمزہ آپا سے ملنے چلے گئے۔

فضل داد کو کھانے کا سمجھا کر میں باہر نکلی تو سوچا پہلے ذرا حمزہ آپا کو دیکھ لوں۔ کہیں زیادہ طبیعت نہ خراب ہو۔ مگر پھر دروازے کے پاس ہی ٹھنک کر رک گئی۔ حمزہ آپا بالکل سامنے ہی کھڑی تھیں اور ان کے رخساروں پر آنسوؤں کے قطرے تھے۔

”میں ہوں نا۔۔۔ میں ہوں نا تمہارے ساتھ حمزہ پھر کیوں پریشان ہوتی ہو۔۔۔ اپنی ساری پریشانیاں مجھے دے دو۔“

انہوں نے انگلی کی پوروں سے ان کے آنسو پونچھ لیے، میں وہیں سے واپس پلیٹ آئی۔ میرے ارد گرد جیسے ایک نامعلوم آواز میں کا غماز سنا چھا گیا۔ اور پھر سیفی بھائی چلے گئے۔

اپنی اداسی میں میں نے حمزہ آپا پر دھیان ہی نہیں دیا وہ تو سولی نے مجھے احساس دلایا کہ حمزہ آپا بہت پریشان ہیں اور اس بھی۔

”کیوں۔“ میں خالی الذہن سی تھی۔

”شاید اپنے ابا کی وجہ سے۔“ سولی کو غالباً سیفی بھائی نے بتایا ہو گا۔

”جو ہو گیا۔ سو ہو گیا۔ تم کیوں کڑھتی ہو۔“ ممی نے بھی حمزہ آپا کو سمجھایا۔

”تمہارے کڑھنے سے یا پریشان رہنے سے کچھ تبدیل تو نہیں ہو سکتا۔“

”ابا ایک ماہ سے گھر نہیں آئے۔ اماں کا خط آیا ہے۔“ انہوں نے تفصیل بتائی۔

”اور چھوٹی نے رو رو کر بخار چڑھا لیا ہے۔ ابا نے اگر گھر میں کسی کالا ڈاٹھایا ہے تو وہی ہے۔“

”کون لیڈی ڈیانا۔“ میں نے پوچھا۔ ”ایسا کس حنزہ آبا! اس ویک اینڈ پر گھر جائیں تو اسے لے آئیے گا خوش ہو جائے گی۔“

اور جب لیڈی ڈیانا آئی ہوئی تھی تو مولیٰ بھی آگیا۔ سربراہ کے چکر میں بغیر اطلاع کے۔

”ارے! یہ ہمارے استقبال کے لیے لیڈی ڈیانا بھی موجود ہیں۔“

سب سے پہلے اس کی ملاقات لیڈی ڈیانا سے ہی ہوئی تھی اور پھر تبو شہو سے۔

اور تبو شہو نے چیخ چیخ کر سب کو اکٹھا کر لیا۔ ”مولیٰ بھیا آئے ہیں مولیٰ بھیا آئے ہیں۔“

ہم سب ہی لونگ روم میں اکٹھے ہو گئے تھے اور می تو مولیٰ کو گلے لگا کر رو پڑی تھیں۔

بست ٹھنڈ تھی وہاں اور مولیٰ کے پاؤں اور انگلیاں سوچی ہوئی تھیں اور درد کرتی تھیں۔ حنزہ آبا فوراً ہی

گرہ پانی لے آئی تھیں۔ ”مولیٰ! اس میں پاؤں ڈال کر رکھو کچھ دیر۔“

”حنزہ آبا۔“ مولیٰ غور سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ ”کیا آپ یہ سمجھ رہی ہیں کہ میں واپس نہیں آؤں گا۔“

”خدا نہ کرے۔“

تو پھر یہ حال یہ بکھرے بکھرے گیسو یہ تھکی تھکی نگاہیں۔

”بڑی خوش فہمی ہے یا رہمہیں۔“ مولیٰ نے چھیڑا۔

”یہ تمہاری جدائی کا غم نہیں اور بھی غم میں زمانے میں محبت کے سوا۔“

”حنزہ آبا! کہیں آپ کو کسی سے محبت تو نہیں ہو گئی۔“ اس نے جھک کر سرگوشی کی۔

حنزہ آبا کا رنگ مزید زرد لگنے لگا اور آنکھیں جیسے جھلکنے کو بیتاب ہو گئیں۔ میرا جی چاہا کہ بتا دوں۔ ہاں

حنزہ آبا کو محبت ہے مینی بھائی سے اور یہ کہ تم انتہائی ناکام سراغ رساں ہو لیکن میں خاموش ہی رہی تھی۔ پتا

نہیں کیوں میں اس راز کو مولیٰ اور مولیٰ سے چھپا رہی تھی حالانکہ میں نے کبھی ان سے کوئی بات نہیں

چھپائی۔

مولیٰ کے آنے سے کتنی رونق ہو گئی تھی۔ حنزہ آبا بھی پہلے سے بستر لگنے لگی تھیں اور وہ مولیٰ کو اپنے

پاتھوں سے مزے مزے کے کھانے کا کرکھلا رہی تھیں۔ دن میں تو وہ کالج میں ہوتیں لیکن رات کے

کھانے پر ضرور اہتمام ہوتا۔

اس روز انہوں نے مولیٰ کی فرمائش پر سبزی بریانی پکائی تھی۔ ڈیڈی کو بہت پسند آئی۔

”بھئی جی چاہتا ہے حنزہ کو تو ہمیشہ کے لیے اپنے گھر میں رکھ لیں۔“ عفی آجائے تو اس سے پوچھ کر حنزہ جی کو

ہمیشہ کے لیے گھر میں لے آؤ عطیہ بیگم! ایسی اچھی سو چراغ لے کے ڈھونڈے سے نہیں ملے گی۔“

ڈیڈی غالباً ”عفی بھائی کی پسند اور می کی کوششوں سے لاعلم تھے۔“

”آپ نے تو میرے منہ کی بات کہہ دی ہے۔“

می نے محبت سے حنزہ آبا کی طرف دیکھا اور حنزہ آبا کی ہستی آنکھیں ایکدم سمجھ سی گئیں اور میں نے

غور کیا کہ حنزہ آبا نے کچھ بھی نہ کھایا وہ کوفتہ جو کچھ دیر پہلے انہوں نے اپنی پلیٹ میں ڈالا تھا وہ اس طرح چڑا

رہا اور وہ سر جھکائے بیٹھی رہیں۔ می ڈیڈی نے اسے ان کی شرم سمجھا۔

”تو پھر انتظار کس کا ہے۔ جائے کینز فاطمہ سے بات کیجیے۔“ ڈیڈی نے می سے کہا۔

”عفی کا ہی انتظار ہے۔“ می نے مبسم جواب دیا۔ شاید وہ ڈیڈی کو مکمل رضامندی کے بعد ہی کچھ بتانا

چاہتی تھیں۔

اس روز حنزہ آبا بہت بے چین رہیں اور بہت مضطرب میں نے کئی بار ادھ کھلے دروازے سے انہیں دیکھا۔ وہ کبھی اٹھ کر بیٹھ جاتیں کبھی ٹھٹھانے لگتیں۔



”حزہ آیا۔“ ان کی بے چینی مجھے بھی مضطرب کر رہی تھی۔

میں دروازہ کھول کر ان کی طرف چلی گئی وہ اپنے بیڈ پر بیٹھی تھیں اور پلوں پر ستارے جگمگا رہے تھے۔

”کیا بات ہے؟“ آپ اتنی پریشان کیوں ہیں۔“

”یہ صحیح نہیں ہے.... یہ صحیح نہیں ہے! امی کو منع کر دو وہ ایسا نہیں سوچیں۔“

”کیسا۔“ میں انجان بن گئی۔

”یہی میرے اور غفی کے متعلق۔“ انہوں نے ہونٹ کاٹے۔

”کیوں غفی بھائی اتنے اچھے تو ہیں۔“ میری نظریں خود بخود جھک گئی تھیں۔

”ہاں اچھے ہیں لیکن رما! مجھے ابھی شادی نہیں کرنا۔ میرے اوپر بہت ذمہ داریاں ہیں۔ میں نے تو

کچھ اور سوچ رکھا ہے مجھے اپنی بہنوں کا اپنی ماں کا خیال رکھنا ہے۔ اپنی بہنوں کو بڑھانا ہے، ابا تو بس۔

تمہیں تو بتا رہا تھا سب کچھ۔ پلیز آئی کو منع کر دو وہ غفی بھائی کی شادی کسی اور سے کر لیں۔“ ٹپ ٹپ

آنسوؤں کی آنکھوں سے گر پڑے۔

”پلیز حزہ آیا آپ روئیں نہیں۔“

ان کے آنسوؤں سے مجھے تکلیف ہونے لگی وہ یوں اس طرح کب روئی تھیں۔ آنسو چھپائے ہمیشہ

پر سکون اور مطمئن رہتیں۔

”میں مئی سے کہہ دوں گی۔ کہوں گی مئی سے لیکن اس کے علاوہ تو کوئی اور بات نہیں ہے کیا آپ کسی اور کو پسند تو نہیں کرتیں۔“

”نہیں۔ ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔“

انہوں نے نظریں جھکالی تھیں اور میں نے دیکھا کہ آنسو کتنے تواتر سے ان کے رخساروں پر پھسل رہے تھے۔

ان کی اس نہیں نے جیسے میرے دل پر پڑا ایک بہت بھاری بوجھ اتار دیا تھا۔ میں نے مئی سے وہ سب کچھ کہہ دیا جو انہوں نے کہا تھا۔

”ناگل ہو تم حزہ۔“ مئی نے پیار سے انہیں سمجھایا۔

”ہم سب تمہیں چاہتے ہیں اور تمہارے مسائل ہمارے ہیں تم جاب کرنا چاہو گی تو بے شک کرتی رہنا“

یہاں کون سا گھر میں ملی جوتا ہوتا ہے۔ اتنے ملازم ہیں۔ تم شوق سے اپنی ننھاہ ساری کی ساری کنیز فاطمہ کو بھجوا دیتا۔ بلکہ ہم سب ہر معاملے میں تمہارے

ساتھ ہوں گے بلکہ شادی سے تو تم زیادہ مضبوط ہو جاؤ گی.... حطلمنا کہہ سب کو تم اپنے پاس رکھ سکتی ہو نو

پراہم۔“

مئی کتنی مختلف تھیں سب سے کھلے دل کی اعلیٰ طرف اس روز مجھے مئی پر نوٹ کر ہمارا آیا۔

”میو آر گریٹ مئی۔“ میں نے ان کے رخساروں پر بوسہ دیا اور اسے کمرے میں چلی آئی۔ لیکن وہ بہت

دیر تک حزہ آیا کو سمجھاتی رہیں۔

لیکن حزہ آیا تو پھر بھی پریشان تھیں۔ اداس ابھی ابھی مولیٰ اور سولی کی باتوں پر بھی انہیں ہنسی نہ آئی۔

جیسے وہ ان کی بات سن ہی نہ رہی ہوں۔ محفل میں ہوتے ہوئے بھی موجود نہ ہوں۔

اس روز مجھے یونیورسٹی میں کچھ دیر ہو گئی تھی۔ واپس آئی تو سیفی بھائی بیوی لاؤنج میں تھل رہے تھے اور

حزہ آپا صوفے پر بیٹھی تھیں۔ غالباً رورہی تھیں۔ میں وہیں رگ گئی۔

”خدا کے لیے حزہ مت رو۔“ سیفی بھائی ٹٹلتے ٹٹلتے رک گئے۔

”تمہارے آنسو مجھے کمزور کر رہے ہیں۔ آخر چچا کو میرے ساتھ کیا نہیں ہے حزہ؟“

عجیب بے بسی تھی ان کے لہجے میں، ٹوٹا ٹوٹا بکھرا لہجہ ان کا دکھ میرے دل میں اتر آیا۔

”اماں نے بہت ضد کی ہے۔ بہت لڑی ہیں میرے لیے۔ لیکن انہیں تو چڑ ہو گئی ہے۔ کہتے ہیں۔ کسی

بھٹکی سے حزہ کا رشتہ کر دوں گا لیکن سیفی سے نہیں۔“ حزہ آواز زور زور روئے لگیں۔

وہ سر تھام کر بیٹھ گئے۔

”میں میں آج گاؤں جا رہا ہوں۔ خود بات کروں گا ان سے۔“ میں دہیں سے اسے کمرے میں لپیٹ آئی۔

اب تو کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہی تھی۔ وہ جو

میں خود کو جھوٹی تسلیوں اور دلیلوں سے بہلاتی رہتی تھی۔ وہ غلط تھا سیفی بھائی حمزہ آپا سے محبت کرتے تھے اور حمزہ آپا سیفی بھائی سے۔

پھر یہ بیچ میں عفی بھائی کہاں سے آگئے تھے اور اگر عفی بھائی درمیان میں نہ ہوتے تو شاید حمزہ آپا کے ابا کا دل سیفی بھائی کے لیے نرم پڑ جاتا۔ لیکن اب تو مقابلے میں عفی بھائی تھے اور ہر لحاظ سے عفی بھائی کا پلڑا بھاری تھا۔ اور اگر جو میں می کو بتا دوں کہ حمزہ آپا اور سیفی بھائی۔

اور می تو سیفی بھائی کو بھی بہت چاہتی ہیں۔ اور حمزہ آپا کو بھی اور می اگر چاہیں تو وہ حمزہ آپا کے ابا کو قائل کر سکتی ہیں۔ انہیں بات کرنے کا ہنر آتا ہے۔ لیکن پتا نہیں کیوں میں نے می کو یہ سب کچھ نہیں بتایا شاید میں نہیں چاہتی کہ سیفی بھائی کی حمزہ آپا سے شادی ہو کیا اس لیے کہ عفی بھائی حمزہ آپا سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔ نہیں یہ بات نہیں۔ دل نے میری بات کی نفی کر دی ہے۔

”تو کیا.... تو کیا میں چاہتی ہوں کہ سیفی بھائی سے میری شادی ہو جائے۔“

اور میرا دل زور سے دھڑک کر تار مل ہو گیا اور میں کتنی دیر تک ساکت بیٹھی رہی۔ پھر اس روز میں بہت روئی۔ پتا نہیں کیوں۔ حمزہ آپا کے لیے یا اپنے لیے۔

\*\*\*

پھر سیفی بھائی طے گئے گاؤں۔ حمزہ آپا کی آنکھوں میں بھی امید کے لیے جگمگانے لگتے اور کبھی آنکھیں ایک دم بجھ جاتیں۔ میرا جی چاہا، میں سیفی بھائی کی کامیابی کے لیے دعا کروں۔ لیکن میرے ہاتھ نہ اٹھ سکے اور سیفی بھائی تین دن بعد واپس آگئے۔ اس دن چھٹی کا دن تھا سونی ابھی تک سورا تھا یا پتا نہیں کبھل میں گھسا اپنی فل فلوٹیوں سے باتیں کر رہا تھا۔ وہ چھٹی والے دن عموماً بارہ بجے سے پہلے اپنے کمرے سے نہیں نکلتا تھا۔ می ڈیڈی بھی دیر سے ناشتہ کرتے تھے اور ابھی صرف دس بجے تھے حمزہ آپا اور میں ایک ایک سلاکس کے ساتھ ایک ایک کپ چائے پی چکے تھے اور اس وقت میں حمزہ آپا کے

کمرے میں ہی ایک طرف بیٹھی اخبار دیکھ رہی تھی اور حمزہ آپا شاید فرسٹ ایر کے پیر سیٹ کر رہی تھیں کہ سیفی بھائی آگئے۔ مگجے سے شلواری قمیص میں بے حد تھکے تھکے اور نڈھال سے وہ آکر کرسی پر گرے گئے۔

میں نے بہت غور سے انہیں دیکھا۔ بال پیشانی پر بکھرے تھے اور بے حد خوب صورت آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں جیسے کئی راتوں سے جاگ رہے ہوں۔ ”حمزہ۔“

انہوں نے شاید مجھے دیکھا نہیں تھا۔ کیونکہ میں ایک سائیڈ پر تھی۔ ان کی نظریں حمزہ آپا پر تھیں جنہوں نے انہیں دیکھتے ہی بن ایک طرف رکھ دیا تھا اور اب امید و ناامیدی کی کیفیت میں ہونٹ پیچھے انہیں دیکھ رہی تھیں۔

”میں فی الحال اپنا مقدمہ ہار گیا ہوں چچا کوئی بات سننے کے لیے تیار ہی نہیں ہیں۔“

انہوں نے سر جھکا لیا اور شکستگي آنسو بن کر حمزہ آپا کی آنکھوں میں اتر آئی۔

”لیکن اگر۔“ انہوں نے لمحہ بھر بعد اپنا جھکا ہوا سر اٹھایا۔ ان کی آنکھوں میں امید کا ایک ننھا سا دریا جل اٹھا تھا۔

”کچھ وقت اور گزر جانے دو حمزہ! انشاء اللہ سب بہتر ہو جائے گا۔ تم کسی بھی اور شخص سے شادی سے انکار کر دینا مجھے یقین ہے۔“ ان کے کنبے میں ٹھہراؤ سا تھا اور ایک یقین و بے یقینی کی سی کیفیت۔

”چچا اس وقت غصے میں ہیں یقیناً“ کسی نے انہیں میرے خلاف اکسایا ہے وہ زیادہ دیر مجھ سے خفا نہیں رہ سکیں گے۔ پتا ہے نا تمہیں بچپن میں وہ میرا تم سے زیادہ خیال کرتے تھے۔ پھر پتا نہیں کیوں وہ ایک ایسی مجھ سے نفرت کرنے لگے۔ کچھ دن بعد میں پھر جاؤں گا ان کے پاس اپنے ناکرہ گناہوں کی معافی مانگ لوں گا۔

حمر میری جان! بس اک ذرا انتظار کر لے۔“ وہ دانستہ مسکرائے اور حمزہ آپا کی طرف دیکھا۔ میں ایک دم کھڑی ہو گئی۔

”سیفی بھائی! آپ کے لیے چائے لاؤں۔“ انہوں



نے یوں مجھے دکھا جیسے وہ میری موجودگی سے باخبر نہ  
ہوں۔

”لیس پلیز۔“

ان کے کعبے میں ایک دم پھر صدیوں کی تحسین اتر  
آئی تھی اور اب حمزہ آیا ایک مہینے سے گاؤں گئی ہوئی  
ہیں۔ اور آج کل می بھی گاؤں گئی ہوئی ہیں اور جب  
جی جارجی تھیں تو میرا جی چاہا انہیں روک دوں منع کر  
دوں۔ لیکن میں ایسا نہیں کر سکی۔ پتا نہیں کیوں  
حالانکہ میں نے اس روز سیفی بھائی کے جانے کے بعد  
سوچا تھا کہ می کو ضرور بتا دوں گی اور می تو بڑی لبل  
ہیں۔ لیکن میں می کو روک نہیں سکی ہوں انہیں بتا  
نہیں سکی ہوں۔ کہ حمزہ آیا تو سیفی بھائی سے اور سیفی  
بھائی حمزہ آیا سے اور می چلی گئی ہیں۔

میں خوش نہیں ہوں پتا نہیں کیوں لمحہ لمحہ بعد میرا دل  
ڈوبنے لگتا ہے اور کوئی سیال اندر ہی اندر میرے وجود کو  
بھگونے لگتا ہے۔ جی چاہ رہا ہے رولوں بہت سارا اور  
اپنے رونے کی کوئی وجہ بھی مجھے معلوم نہیں۔ شاید  
اندر کہیں اور اک سا ہے کوئی جو شعور کی دیواروں سے  
سرخ رہا ہے کہ۔

طلب کی منزل نہیں ہے آساں طلب کے رہتے ہیں پتھروں کے  
طویل صدیوں کے جیسے ہوں گے تمام لمحے مسانوں کے

15 نومبر 1990ء

جب موسم سرد ہوا میں

چپ سی گھولتے ہیں

جب آنسو پلکیں رولتے ہیں

جب سب آوازیں اپنے اپنے بستر پر

سو جاتی ہیں۔

تب آہستہ آہستہ آنکھیں کھولتے ہیں

دکھ بولتے ہیں

دکھ بولتے ہیں

اور آج دل بے طرح ادا ہے۔ جی چاہتا ہے کسی  
سے بات کروں مگر کس سے۔ می تو اپنے دیمین طلب

کے سالانہ فنکشن کے سلسلے میں بے حد مصروف  
ہیں۔ اتنی تیاری تو انہوں نے سولی اور غنی بھائی کی  
شادیوں کے لیے بھی نہیں کی۔ ابھی فنکشن غالباً  
دسمبر کے لاسٹ ویک میں ہوتا ہے اور می ابھی سے  
تیاریوں میں مصروف ہیں۔

سولی اور مصباح شمالی علاقہ جات کی سیر و تفریح میں  
مگن ہیں سولی کوئٹہ میں ہے اور حمزہ آیا کالج سے  
اگر کمرے میں بند ہو جاتی ہیں۔

غنی بھائی اکثر کہیں نہ کہیں چلے جاتے ہیں۔ ان کی  
اپنی بہت ساری دلچسپیاں ہیں اور حمزہ آیا شاید ان کی  
دلچسپیاں شیر نہیں کر سکتیں اور انہیں بھی اس بات  
کی پروا نہیں کہ حمزہ آیا ان کی دلچسپیوں کو شیر کریں اور  
گھر میں کتنی خاموشی اور درانی ہے۔ پتا ہی نہیں چلتا  
کہ صرف ایک ماہ پہلے اس گھر میں دود و دلہنیں آئی  
ہیں۔ حالانکہ بظاہر ان شادیوں کے آثار درود دیوار پر  
موجود ہیں۔

ابھی سولی اور غنی بھائی کا کمرہ اسی طرح سجا ہے۔  
بلکہ سولی نے تو ابھی تک بیڈ کے ارد گرد لگی پھولوں کی  
لڑیاں بھی نہیں اتارنے دیں۔ جب تک سولی اور  
مصباح گھر پر رہے۔ کچھ رونق سی رہی لیکن جب سے  
وہ مٹے ہیں ہر طرف خاموشی چھائی ہوئی ہے۔ می نے  
بھی کتنی دفعہ حمزہ آیا سے کہا ہے کہ وہ ہنس بولا کریں  
خوش رہا کریں۔ مگر حمزہ آیا۔۔۔ حمزہ آیا تو میرا جی چاہتا ہے  
میں حمزہ آیا سے باتیں کروں بہت ساری پہلے کی طرح  
مگر بتا نہیں کیوں ان کے پاس جاتی ہوں تو نظریں جھک  
جاتی ہیں۔ ایسا لگتا ہے جیسے ان کی آنکھیں کہہ رہی  
ہوں۔

”رہا! تم تو جانتی تھیں سب۔ تمہیں تو پتا تھا۔“

خاموش نظریں مجھے شکوہ کرتی دکھائی دیتی ہیں۔ تم نے  
پھر کیوں نہ روکا۔“

می گاؤں سے واپس آئیں تو کتنی خوش تھیں۔ وہ غنی  
بھائی کی شادی کی تاریخ طے کر آئی تھیں اور اب چھوٹی  
خالہ کی طرف کراچی جانے کی تیاری کر رہی تھیں۔

ایک لمحہ کو تو میرا دل ڈوب سا گیا تھا۔

”حمزہ آپا مان لیں۔“

”وہ بے زبان بچی۔ اس نے کیا کہنا تھا بھلا۔ ڈر تو بھائی صاحب کی طرف سے تھا کہ کہیں ایشہ نہ جائیں۔“

”اور کنیز خالہ۔“

”وہ بے چاری چپ تھی۔ اللہ میاں کی گائے اس نے کیا کہنا تھا۔“

”اور حمزہ آیا آپ کے ساتھ نہیں آئیں۔“

”لو اس کا باب بڑی اونچی ناک والا ہے۔ اس نے کہا شادی سے پہلے حمزہ سسرال میں کیسے جائے اور یوں بھی عفی آرہا ہے اس کا یہاں آنا مناسب ہی نہیں۔“

”اور ان کا کالج؟“ میں نے بیوقوفوں کی طرح پوچھا۔

”ہاسٹل میں رہے گی دس پندرہ دن اور پھر تو شادی کے لیے چھٹی لے لے گی۔“

ہمارے گھر میں پہلی شادی تھی۔

شادی نہیں بلکہ شادیاں بہن ہونے کے ناتے مجھے تو بہت خوش ہونا چاہیے تھا۔ لیکن یہاں کیوں میں اندر سے خوش نہیں تھی۔ حالانکہ میں خوش ہونا چاہتی تھی۔

اور میں نے فون بر فون کر کے پچھو کو دس دن پہلے ہی بلوایا۔ سیفی بھائی انہیں چھوڑنے آئے تھے۔

بے حد بکھرے بکھرے تھے وہ آنکھیں کسی انجانے درد سے سلگ رہی تھیں یوں جیسے دل کو بھلنے والا درد آنکھوں میں آکر ٹہر سا گیا ہو وہ رکے نہیں پچھو کو چھوڑ کر چلے گئے۔

اور پھر شادی پر بھی کسی ضروری میٹنگ کا بہانہ کر کے نہ آئے مولیٰ نے انہیں کتنی بار یاد کیا تھا۔

”یار! یہ سیفی بھائی بہت فضول ہیں۔ آئے ہی نہیں۔ تم بھی ان کی شادی پر ہرگز نہ جانا۔“

اور اس نے صرف سولی سے ہی یہ نہ کہا بلکہ فون کر کے سیفی بھائی کو بھی کہہ دیا مگر سیفی بھائی پھر بھی نہ آئے جب ہم عفی بھائی کی مندی لے کر گئے تو بھنگڑا ڈالتے ہوئے بھی انہوں نے سیفی بھائی کو یاد کیا تھا۔

مائیوں کے پیلے جوڑے میں حمزہ آیا بہت زرد لگ

رہی تھیں۔ حفظہ، فاکہہ وغیرہ بھی بہت اداس تھیں۔ نہ تو انہوں نے جوابی گائے گائے نہ کوئی مذاق کیا۔ خاموش جیسے سب کے لبوں پر کسی انجانے دکھ کی مہر لگی ہو۔۔۔ مولیٰ اور اس کے دوستوں نے اور سب کزنز نے مل کر بہت شور و غل کیا۔ بھنگڑا ڈالا اور پھر مولیٰ نے کوئی محنت نہ بھر بہت تیز میوزک پر ڈانس کیا اور پھر تھک کر میرے پاس آ بیٹھا۔

”پتا نہیں کیا بات ہے راتنا خوش ہونے کے باوجود جیسے خوشی نہیں ہے۔ تم نے کبھی ایسا محسوس کیا؟“

”نہیں تو۔“ میں مگر گئی۔

”شاید میرا وہم ہے۔“

وہ اٹھ کر سولی کی طرف چلا گیا جسے سب مصباح کے حوالے سے چھیڑ رہے تھے اور عفی بھائی کو تنگ کر رہے تھے جو قریب ہی بیٹھے تھے۔

حمزہ آیا کے ابانے بہت اچھا انتظام کیا تھا۔ رات کا انتظام بھی بہت اچھا تھا اور بہت شاندار کھانا کھلایا گیا سب کچھ بہترین تھا سبھی کہہ رہے تھے کہ یہ سب اس لیے ہے تاکہ لوگ یہ نہ کہیں کہ دوسری شادی کے بعد بیٹی کا بیاہ صحیح طریقے سے نہیں کیا ان کی بیوی بھی دیکھی تھی چالیس سال کی کوئی اسکول ٹیچر تھی اور اس عمر میں گونے لگے کپڑے پہنے بہت فضول لگ رہی تھی۔ پچھو سے بطور خاص آکر ملی میں پچھو کے ساتھ ہی بیٹھی تھی۔

”تمہاری جیٹھانی سے سنا تھا کہ حمزہ کو تم نے ہونا نا ہے پھر۔۔۔۔۔۔“

”نصیب کی بات ہے پھر عفی بھی اپنا ہی بچہ ہے۔“ پچھو کے نچے میں حسرت تھی اور پچھو کے دکھ کو میرے علاوہ کون جان سکتا تھا۔ میں نے محسوس کیا تھا کہ چلتے پھرتے کام کرتے ان کی آنکھوں میں آنسو آجاتے تو وہ اپنے آنسو چھپائے ادھر ادھر ہو جاتی تھیں۔

”حمزہ اتنا عرصہ رہی ہے لاہور کوئی چکر چل گیا ہو گا۔“ کس قدر فضول ذہنیت تھی اس عورت کی۔

”بہن! کیسی باتیں کرتی ہو۔“ پچھو کا رنگ سرخ ہو گیا۔



”نہ حزنہ ایسی بچی ہے اور نہ خدا خواستہ عفی اس طرح کے ہیں اور پھر عفی تو ملک سے باہر تھے۔ مینہ بھرہلے ہی آئے ہیں۔“

اور مئی کے اس جھوٹ کی اہمیت کا اندازہ مجھے اس وقت ہوا جو انہوں نے عفی بھائی کے متعلق بولا تھا کہ وہ آٹھ سال سے ملک سے باہر ہیں اور میں مئی کی ذہانت کی قائل ہو گئی۔

حزنہ آپا دلہن بن کر بہت خوبصورت لگ رہی تھیں بہت معصوم یوں لگتا تھا جیسے روپ ان پر ٹوٹا پڑ رہا ہو میں مبہوت سی کھڑی انہیں دیکھتی رہی اور میں نے سوچا عفی بھائی کتنے خوش قسمت ہیں جنہیں حزنہ آپا جیسی بیوی ملی ہیں اور خوب صورت تو دلیہا بن کر عفی بھائی بھی لگ رہے تھے۔ سب نے ہی تعریف کی کہ بہت خوب صورت جوڑا ہے۔

رات کو تھک ہار کر جب سب حزنہ آپا کو لے کر واپس آ رہے تھے تو مونی کچھ چپ چاپ ساتھ تھی۔ مونی اور مونی ایک ہی گاڑی میں تھے۔

”یار رہا نہیں کیوں مجھے لگتا ہے جیسے کچھ غلط ہو گیا ہے۔“ راستے میں ایک جگہ کو لڈ ڈرنکس کے لیے مونی نے گاڑی روکی تو مونی نے تبصرہ کیا۔ اس کی چھٹی حس بہت تیز تھی۔

”مثلاً“ کیا۔“ مونی نے پوچھا۔

”پتا نہیں یہ تو مجھے بھی نہیں معلوم لیکن مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے سب اداس اور خفا خفا ہوں۔ حتیٰ کہ لڈی ڈیا نا بھی روٹھی روٹھی لگ رہی تھی جیسے حزنہ آپا کو ہم ان کی مرضی کے بغیر لے جا رہے ہوں۔“

”جب بیٹیوں کی رخصتی ہو تو ادا سی تو ہوتی ہے بیٹی والے گھر میں۔“ میں نے دل کا درد چھپا کر کہا۔

”مگر۔“ مونی کچھ کہتے کہتے رک گیا ممکن ہے میرا وہم ہو۔“

”وہم!“ میں نے سوچا شاید وہم ہی ہو حالانکہ میں بھی تو یہی کچھ محسوس کر رہی تھی۔ اور میرا دل بھرا رہا تھا جی چاہتا تھا روؤں مگر کس لیے کوئی جواز تو ہو اور پھر مجھے اگلے روز رونے کا بہانہ مل گیا۔ ہمیں مونی کی بارات لے کر کراچی جانا تھا اور ویرمہ مونی اور عفی بھائی

کا اکٹھا تھا اور روز بعد۔ مونی، مونی اور اپنے کسی دوست کے ساتھ پار لگ گیا ہوا تھا اور صبح سے مونی والے فون کی گھنٹیاں بج رہی تھیں۔ میں نے جب بھی اٹھایا میری آواز سنتے ہی کسی نے فون رکھ دیا۔

یقیناً ”مونی کی فریڈز ہوں گی میرا خیال تھا اور پھر اس خیال کی تصدیق بھی ہو گئی اس وقت اس کا جملہ عروسی دیکھنے گئی تھی۔ مئی نے کہا تھا اسے دیکھ لو کہ سب ٹھیک ہے اور پھر کمرہ لاک کر دیتا ہی بیل بج اٹھی دوسری طرف اس کی کوئی دوست تھی۔

”آپ رہا ہیں نا۔“ اس کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔

”جی لیکن آپ کون۔“

”میں..... میں پلیز..... پلیز مونی سے میری بات کرا دیں ایک دفعہ۔“

وہ جو کوئی بھی تھی مونی نے یقیناً ”میرا تعارف کروا رکھا تھا۔“

”سوری مس شاید آج آپ کی ان سے بات نہ ہو سکے۔ آج ابھی کچھ دیر بعد ان کی بارات روانہ ہو رہی ہے۔“

”مجھے پتا ہے لیکن پلیز صرف دو منٹ کے لیے میری بات کروا دیں ان سے۔“ آنسوؤں پر سے جیسے اس کا اختیار ختم ہو گیا تھا۔

”اس نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ مجھ سے بات کرے گا۔ چاہے کچھ بھی ہو سہرا باندھنے کے بعد بھی وہ مجھ سے بات کرے گا۔ اس نے۔“ وہ زار زار رونے لگی۔

”پلیز آپ روئیں نہیں اور دیکھیں میں آپ کا Message دے دوں گی۔ آپ اپنا نام بتا دیں۔“

لیکن آپ کو اس پر اعتبار نہیں کرنا چاہیے تھا۔

”کو کب۔“ رباب تھی اور پھر شینا تھی اور اب یہ کو کب۔ ریسیور رکھ کر میں مڑی تو مونی میرے پیچھے کھڑا تھا۔

”کس کا فون تھا۔“ وہ بہت خوش اور بہت مطمئن لگ رہا تھا۔ اور ستائشی نظروں سے اپنے کمرے کو دیکھ رہا تھا۔

”کو کب کا۔“

سونی، سونی کو ڈھونڈتا ہوا ادھر آیا تو اس نے بہت  
سنجیدگی سے کہا اور پھر میری طرف دیکھ کر مسکرایا۔  
"اتنا چھوٹا سا دل ہے تمہارا۔ چلو جا کر منہ ہاتھ دھو  
لو۔ مئی تمہیں بلارہی ہیں۔"

اتنا بہت سارا رو لینے سے جیسے دل کا بوجھ ہلکا ہو گیا  
تھا۔ میں تیار ہو کر حمزہ آپا کے پاس چلی آئی، آپا انہیں  
تیار کر رہی تھیں لیکن وہ بہت اداس لگ رہی تھیں۔  
میں انہیں چل رہا تھا کہ وہ دونوں کی بیانی دہن ہیں۔ ان  
کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی اور نہ آنکھوں میں کوئی  
جگنو دمک رہے تھے۔

اور میرے دل پر جیسے پھر بوجھ سا آگرا اور یہ بوجھ  
اس وقت اور بڑھ گیا جب میں نے سیفی بھائی کو دیکھا،  
ہم سیدھے نچوچا کے ہاں گئے تھے اور بارات کو وہاں  
سے ہی تیار ہو کر ہوٹل میں جانا تھا۔ پچھو وہاں پہنچتے  
ہی بے چین ہو گئیں۔

"ڈرا گھر جاؤں گی سیفی کو دیکھوں گی اور بارات کی  
روانگی سے پہلے آجاؤں گی۔"

سب ہی ادھر ادھر جا رہے تھے۔ نرمی آپا اور  
اقتدار بھائی بڑے ماموں کے ہاں چلے گئے تھے۔ میں  
پچھو کے ساتھ جانے کے لیے تیار ہو گئی۔ مئی نے  
روکا بھی۔

"دونوں بہنیں چلی جاؤ گی تو حمزہ اکیلی ہو جائے گی۔"  
"میں جلدی آجاؤں گی۔ یہاں رتس میں صحیح طرح  
سے تیار نہیں ہو پاؤں گی۔"

شاید دل میں نہیں سیفی بھائی کو دیکھنے کی خواہش  
تھی۔

سیفی بھائی ٹی وی لائونج میں صوفے پر نیم دراز  
تھے۔ ملکچے سے کپڑے، شیو بڑھی ہوئی اور آنکھیں  
سوچی ہوئی جیسے کئی راتوں سے جاگ رہے ہوں۔  
پشمان لڑکے نے جسے انہوں نے باہر کے کام وغیرہ کے  
لیے رکھا ہوا تھا۔ دروازہ کھولا۔ پچھو بیٹا بانہ سیفی کی  
طرف بڑھی تھیں۔

"یہ کیا حال بنا رکھا ہے تم نے میرے بچے۔"  
انہوں نے ان کی پیشانی چومی تو انہوں نے اپنی  
جلتی ہوئی آنکھیں کھول کر انہیں دیکھا اور اٹھ بیٹھے۔

"کو کب ادھ ہاں کو کب۔"  
"تم جانتے ہو؟ تمہیں پتا ہے وہ کل سے کتنی بار  
فون کر چکی ہے۔ سارا دن بلیں ہوتی رہی ہیں اور آج  
صبح سے۔"

"تو۔" اس نے سوالیہ نظروں سے مجھے دیکھا۔  
"میں کیسے اس سے بات کر سکتا ہوں۔ اتنے  
مہمان ہیں گھر میں۔"

"تو تم نے اس سے وعدے کیوں کئے تھے کیوں کہا  
تھا کہ تم اسے ہر روز فون کرو گے۔ بلکہ سربابندھنے  
کے بعد بھی اس سے بات کرو گے۔"

"ہاں وہ.... وہ تو بس ایسے ہی وہ جذباتی ہو رہی تھی تو  
کہہ دیا۔" وہ ذرا بھی شرمندہ نہیں لگ رہا تھا۔

"تم، تم نے سونی! کیوں کیا ایسا، کیوں امیدیں  
دلاتے رہے ہو لڑکیوں کو، کیوں جھوٹے وعدے کئے  
ان سے کیا ملا تم کو ایک لڑکی کو اذیت میں مبتلا کر کے،  
دکھ دے کر لڑا کر۔" میں رونے لگی۔

"رہا! رہا کیا ہو گیا ہے تمہیں۔ فارگاز سیک مت  
روؤ۔" اس نے مجھے اپنے ساتھ لگا لیا۔

"دیکھو دیکھو میں سوری کر لوں گا۔ میں ان سب  
لڑکیوں سے سوری کر لوں گا۔ مگر پکیز تم نہیں روؤ آج  
کے دن۔ یہ تو خوشی کا دن ہے۔" وہ میرے رونے سے  
گھبرا رہا تھا۔

"اور تمہارے سوزی سے کیا ان کے دل کے زخم  
بھر جائیں گے۔" میں مسلسل روئے چلی جا رہی تھی۔  
"یقین کرو رہا! ایسا نہیں ہے۔ یہ بہت لڑکیاں بھی  
ایسی ہیں۔ پتا نہیں یہ کو کب کیوں اتنی سنجیدہ ہو گئی ہے  
لیکن پکیز تم مجھے معاف کر دو مت رو۔"

اور میں تو اتنے دنوں سے رونے کو بہانہ ڈھونڈ رہی  
تھی۔ سو اس کے کندھے سے لگی روٹی رہی۔ اتنا بوجھ  
ساجو دل پر دھرا تھا وہ رونے سے ہلکا ہو گیا۔

دراصل اس ساری بیماری کا ایک سبب دیر سے  
شادیاں ہیں۔ لڑکیوں کو پڑھنا ہے۔ لڑکے کو اسٹیبلس  
ہونے کے لیے وقت چاہیے اور یوں شادی تک کا  
درمیانی عرصہ گزارنے کے لیے لڑکے اور لڑکیاں ایک  
دوسرے میں انوالی ہو جاتے ہیں۔"



”سینی بھائی۔“

میں نے آہستہ سے انہیں پکارا تو انہوں نے سر اٹھا کر مجھے دیکھا۔

”را! میں تم سے یہ توقع رکھتا ہوں کہ تم جو کچھ جانتی ہو اسے اپنے تک ہی محدود رکھو گی، میں اسے خوش رکھنا چاہتا ہوں۔“

پھر وہ ایک دم اٹھ کر چلے گئے شاید اپنے کمرے میں اور میں وہاں ہی ساکت بیٹھی رہ گئی۔

\*-\*-\*

دلیمے والے دن حنزہ آیا اور مصباح دونوں نے آف وائٹ شرارے بنے تھے اور دونوں بہت پیاری لگ رہی تھیں بہت دلکش جب وہ بار لر سے آئیں تو سب نے ہی ان کی بے حد تعریف کی لیکن حنزہ آیا کے جمال میں ایک حزن تھا.... ایک دکھ کی سی کیفیت تھی۔ جبکہ مصباح کے چہرے پر رنگ ہی رنگ تھے آنکھوں میں دمک تھی اور ہونٹوں پر مدھم سی مسکراہٹ، سونی بہانے بہانے سے کئی بار وہاں آیا جہاں اسٹیج پر دونوں کو بٹھایا گیا تھا۔ پر شوق نظریں مصباح کو خراج پیش کر رہی تھیں اور ہونٹوں پر شوق جملے آرہے تھے جبکہ عفتی بھائی ایک بار بھی ادھر نہیں آئے تھے وہ اپنے کچھ ملنے والوں کے پاس کھڑے گپ لگاتے رہے تھے ان کے چہرے پر بھی سونی کے چہرے والی رونق نہیں تھی جیسے کوئی خاص تبدیلی نہ ہوئی ہو ان کی زندگی میں بڑی آبی بڑی دیر سے حنزہ آیا کے پاس پہنچی ان کو ملنے والی رونمائی ان کے پرس میں ڈالتی تھیں لیکن ان کے صاحبزادے نے رونا شروع کر دیا اور وہ اسے فیز کرانے کے لیے ڈرنگ روم میں آئیں تو میں ان کے پیچھے ہی چلی آئی۔

”را۔“ جی کو فیڈر دیتے ہوئے انہوں نے پرسوج نظروں سے مجھے دیکھا۔

”حنزہ کچھ خوش نہیں لگتی تمہارا تو چار سال کا مسلسل ساتھ رہا ہے تمہیں اس نے کچھ بتایا۔ عفتی کاسلوک اس کے ساتھ صحیح تو ہے نا۔“

”عفتی بھائی کی اپنی مرضی پر یہ شادی ہوئی ہے نزی

”رہا بھی ہے۔“

پچھو نے پیچھے مڑ کر مجھے دیکھا۔ میں ہولے ہولے چلتی ہوئی سامنے آکر بیٹھ گئی اور میرے دل میں کوئی کچوکے لگانے اور برجھیاں مارنے لگا۔ میں نے کوئی جرم نہیں کیا تھا پھر بھی مجھے اپنا آپ مجرم لگا۔ میں نگاہیں جھکائے بیٹھی تھی اور میری آنکھوں میں آنسو جل رہے تھے۔

پچھو نے ان کے پاس بیٹھ کر ان کے ہاتھ تھام لیے ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ انہیں اپنے دل میں چھپالیں اور ان کا سارا دکھ اپنے اندر جذب کر لیں۔

”میں ٹھیک ہوں امی۔“ انہوں نے مسکرانے کی کوشش کی۔

”آپ پریشان نہ ہوں ذرا سائلو ہو گیا تھا بس۔“  
”کسے پریشان نہ ہوں۔“ پچھو کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ ”جیسے میں کچھ نہیں جانتی۔“  
”یہ رما کیسے ساتھ آگئی آپ کے۔“ انہوں نے موضوع بدلا۔

”آج سونی کی بارات ہے۔“

”اوہ ہاں۔“

وہ یوں چونکے جیسے انہیں یاد ہی نہ ہو کہ آج سونی کی بارات ہے۔

”کیوں بارات میں نہیں جاؤ گے؟ کیا زیادہ طبیعت خراب ہے۔“ پچھو میری وجہ سے بہت احتیاط کر رہی تھیں۔

”نہیں مار کھانی ہے سونی سے۔“ انہوں نے لمبے کو خوشگوار بتایا۔

”لی بی جی! صاحب کو تو بخار تھا۔ کچھ کھاتے مٹے ہی نہیں آج بھی نہ ناشتہ کیا نہ کھانا کھایا۔“ ملازم لڑکے نے شکایت کی۔

”بھئی اب رات کو خوب ڈٹ کر کھائیں گے ایک ہی بار۔“ پچھو اٹھ کھڑی ہوئیں۔

”چلو عبدال! تم چائے کا پالی رکھو۔ میں آتی ہوں کچن میں۔“ اور پچھو کے جانے کے بعد وہ کچھ دیر خاموش سر جھکائے بیٹھ رہے۔

بست افسردگی ہے کہا۔  
 ”شاید سونی نے سچ ہی کہا تھا را! غنی بھائی اور حمزہ  
 آیا کا کپل مناسب نہیں ہے بلکہ حمزہ آیا تو سیفی بھائی  
 کے اور پھر اس نے بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔  
 حمزہ آیا اور سیفی بھائی.... سیفی بھائی اور حمزہ آیا۔  
 لیکن اب ایسا نہیں تھا۔

حمزہ آیا اور غنی بھائی تھے  
 اور اگر سیفی بھائی اور میں۔  
 میں اور سیفی بھائی تو کیا ہمارا کپل  
 دل کی گھرائیوں میں چھپی خواہش شعور میں در آئی  
 تو میں نے گھبرا کر مولیٰ کو دیکھا۔ وہ بیک اٹھائے افسردہ  
 سا کھڑا تھا۔

”او کے را اللہ حافظ۔“ میں زرا حمزہ آیا سے مل  
 لوں۔“

”اللہ حافظ۔“ میرے لب طے لیکن میں اس  
 انکشاف سے کسی قدر سہمی سی ششدر اور سراسیمہ  
 سے کھڑی رہ گئی۔

اور سیفی بھائی تو شاید پہلے دن ہی جب پہلی بار میں  
 نے انہیں دیکھا تھا۔ مجھے اچھے لگے تھے اور اور کیا میں  
 سیفی بھائی کے لیے حمزہ آیا نہیں بن سکتی۔ پھر وہی  
 خواہش وہی سراسیمہ کر دینے والی خواہش دل کی  
 دیواروں پر دستک دے رہی ہے اور میرا دل پاگل دل  
 ڈوب ڈوب کر ابھر رہا ہے۔

28 فروری 1998ء

کتنا سہل جانا تھا  
 خوشبوؤں کو چھو لینا  
 بارشوں کے موسم میں  
 شام میں ہر اک منظر  
 گھر میں قید کر لینا  
 روشنی ستاروں کی  
 مٹھیوں میں بھر لینا  
 کتنا سہل جانا تھا  
 خوشبوؤں کو چھو لینا  
 جگنوؤں کی باتوں سے

آلی! پھر بھلا ان کا سلوک حمزہ آیا کے ساتھ خراب  
 کیوں ہو گا۔“ میں نے حیرت سے انہیں دیکھا۔  
 ”ہاں یہ تو ہے لیکن۔“ لیکن را۔ یہ کچھ اچھا نہیں  
 ہوا حمزہ آیا اور غنی بھائی ایک ندی کے دو کنارے ہیں  
 بست تضاد ہے دونوں کے مزاج میں۔ غنی بھائی کو حمزہ  
 آیا سوٹ نہیں کرتی تھیں۔ ان کے لیے تو وہی مسز  
 ہمدانی کی بیٹی سچ تھی۔“

مجھے نزی آلی کی بات پر حیرت ہوئی۔ میں تو نزی آلی  
 کو یوں ہی لایا ابانی سی سمجھتی تھی اور مجھے نہیں معلوم تھا  
 کہ وہ اتنی گہرائی میں بھی سوچ سکتی ہیں۔ اور یہ  
 ہمارے گھر کے لوگ سب ہی کتنے مختلف ہیں۔ سب  
 ہی حمزہ آیا کے لیے سوچ رہے ہیں۔

”حالانکہ انہوں نے خود حمزہ آیا کے لیے بار بار می  
 سے کہا تھا۔“ میں نے وضاحت کی۔

”دراصل غنی کے لیے یہ کوئی نئی اور انوکھی بات  
 نہیں ہے تمہیں پتا ہے را ہاں ان کی بہت گہرا فریڈ  
 تھیں اقتدار کے ایک دوست نے بتایا تھا۔ اور جب  
 ہم ان سے ملنے گئے تھے تب بھی ایک لڑکی ان کے  
 ساتھ رہ رہی تھی ان کے فلیٹ میں۔ خود غنی نے  
 تعارف کروایا تھا۔ کہ وہ ان کے ساتھ ان کے  
 اپارٹمنٹ کو شیر کر رہی ہے۔“

اور میرے دل میں جیسے کسی نے سولی چھو دی اور  
 آج اتنے دن ہو گئے ہیں اب بھی بیٹھے بیٹھے کبھی یوں  
 لگتا ہے جیسے کسی نے دل میں سولی چھو کر نکال لی ہو  
 حمزہ آیا اور اس میں خوش نہیں سب ہی محسوس کر رہے  
 ہیں۔ ابھی کل کی بات ہے مولیٰ جو اپنے پوش کے کسی  
 کام سے لاہور آیا ہوا تھا۔ تھوڑی دیر کے لیے گھر بھی  
 آیا تھا۔ غنی بھائی اس وقت کلب جا رہے تھے۔

”کیسے“ مولیٰ نے پوچھا۔

”ہاں۔“

”اور حمزہ آیا۔“

”بھئی ان کا جی چاہے تو وہ بھی جاسکتی ہیں۔ جب  
 جہاں مرضی ہو یورپ میں میاں بیوی ایک دوسرے  
 کے معاملات میں مداخلت نہیں کرتے۔“ وہ چلے  
 گئے اور اپنے جوتوں کے تسمے باندھتے ہوئے مولیٰ نے



پھول جیسے آنگن میں  
روشنی سی کر لیتا  
اس کی یاد کا چہرہ  
خوابناک آنکھوں میں  
جھیل کے گلابوں پر  
در تک سجا رکھنا  
کتنا سہل جانا تھا  
اے نظر کی خوش فہمی  
اس طرح نہیں ہوتا  
تنبلیاں پکڑنے کو دور جانا پڑتا ہے  
اس طرح نہیں ہوتا  
اس طرح نہیں ہوتا

ہماری اکلوتی ہمشیرہ کے اکلوتے فرزند ارجمند۔ "اور ان  
کی چمکتی سیاہ آنکھوں میں اپنائیت اور خلوص کی جو  
روشنی سی لپکی تھی اور انہوں نے مسکرا کر مجھے دیکھا  
تھا اور پھر مولیٰ کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تھا۔  
"اور یہ میری بد نصیبی نہیں تو اور کیا ہے کہ میں  
اب تک اتنے پیارے پیارے بہن بھائیوں کی  
رفاقوں سے محروم رہا۔"  
اور میں جو ان کی چمکتی سیاہ آنکھوں کے سحر میں  
جکڑی گئی تھی ان کے لہجے کی خوب  
صورتیوں میں ہمیشہ کے لیے قید ہو گئی تھی اور سچ تو یہ تھا  
کہ میں اس وقت اسی لئے تے سیٹھ سے محبت کرنے  
لگی تھی۔ یہ الگ بات کہ میں نے مدتوں اس بات کو  
جھٹلایا۔

اس لیے کہ میں نے جان لیا تھا کہ حمزہ آیا اور  
سیٹھی سیٹھی اور حمزہ۔ اور اس راز کی اہمیت میں تھی  
صرف میں۔

حالانکہ انہوں نے مجھے اپنے راز میں شریک نہیں  
کیا تھا۔ لیکن خود بخود میں اس راز کی شریک بن گئی  
تھی اور اب جبکہ حمزہ آیا ہمارے گھر میں عقی بھالی کی  
دلہن بن کر آگئی تھیں تو سب سے زیادہ عذاب میں بھی  
میں ہی تھی۔ کاش میں اس راز کی اہمیت نہ ہوتی۔  
راتوں کو میں بستر پر کرو میں بدلتی۔

حمزہ آیا کا اور اس چہرہ۔ اب اس نے  
ان کی آنکھوں کا حزن ان کے لبوں کی چپ اور  
سیٹھی سیٹھی کا وہ ہواشیو، پکھرے بال سرخ  
آنکھیں اور ٹوٹا لچہ لیدر سب مجھے رلاتا۔

سولی کی بارات والے دن کے بعد میں نے سیٹھی کو  
نہیں دیکھا تھا لیکن میرا دل کہتا تھا کہ وہ اب بھی ایسے  
ہی ہوں گے حمزہ آیا کی طرح کھوئے کھوئے اور اداس  
اداس سے اور پتا نہیں کیوں میرے دل کا بوجھ ہر  
گزرتے دن کے ساتھ بڑھتا جا رہا تھا۔ میں مجرم نہیں  
تھی پھر بھی اپنے آپ کو مجرم سمجھ رہی تھی میں تو  
دہرے عذاب میں تھی۔

ایک طرف میرے ضمیر پر آگئی کا بوجھ تھا اور  
دوسری طرف دل میں جبر کی آگ جل رہی تھی۔

اور میں، میں ملک میں نے بھی کتنا سہل جانا تھا  
سب کچھ لیکن سب کچھ اتنا سہل نہیں تھا۔ ستاروں کو  
مٹھیوں میں بھرنے کی خواہش تو کی جاسکتی ہے۔ لیکن  
ستاروں کو مٹھیوں میں بھرنا کتنا مشکل ہوتا ہے اسے  
میرے علاوہ کون جان سکتا ہے میں نے بھی ستاروں کو  
مٹھیوں میں بھرنے کی خواہش کی تھی لیکن وہ میرے  
ہاتھوں سے پھسل گئے۔

میں نے بھی سوچا تھا کہ میں حمزہ آیا جیسی بن جاؤں  
گی تو سب کچھ سہل ہو جائے گا۔  
لیکن کچھ بھی تو سہل نہ ہوا بلکہ یہ راہیں تو زیادہ  
اوکھی اور مشکل ہیں۔

میں نے حمزہ آیا نے میں اپنا آپ تھکا ڈالا لیکن  
حاصل کیا ہوا کچھ بھی نہیں اور میں نے سوچا تھا ایک  
دن وہ مجھ سے محبت کرنے لگے گا ایسی ہی محبت جیسی  
اس نے حمزہ آیا سے کی لیکن محبت ہر ایک کا نصیب  
نہیں ہوتی اور وہ۔

سیف اللہ اختر، میرا پھوپھی زاد اونچا لہبا قد،  
انہا رنگ بے انتہا خوب صورت ایک دم سیاہ  
آنکھیں اور پوری شخصیت میں ایک سحر سا طاری کر  
دینے والا تاثر اور سچ تو یہ ہے کہ جب پہلی بار نوجو چچانے  
میرا تعارف کروایا تھا۔

"یہ ہیں ہماری لٹھمن اور یہ ہیں سیف اللہ اختر"

تار سائی کا دکھ اسے پیے جا رہا تھا، گھر میں اتنی دیر انہاں تو کبھی بھی نہ تھیں درود یار بھی اداس لگتے تھے۔ کبھی کبھی مصباح اور سونی کی ہنسی ان اداس درود یار میں روشنی سی بکھیر دیتی تھی لیکن وہ تو ایک دوسرے میں گم تھے۔

سونی کورٹ سے آتا تو اکثر دونوں گھومنے چلے جاتے۔ چھٹی والے دن تو وہ گھر پر نکلتے ہی نہ تھے۔ اور رات کو سونی جیمبر سے دیر سے آتا۔ غنی بھائی آفس سے آکر کچھ آرام کرتے اور پھر کلب وغیرہ چلے جاتے یہ صرف یہ کہ انہوں نے کتب جوائن کر لیا تھا بلکہ تھوڑے سے عرصے میں ہی ان کا حلقہ احباب خاصا وسیع ہو گیا تھا اور مہی مصباح اور حمزہ آپا کو گھر لانے کے بعد اور بھی بے فکر ہو گئی تھیں اور خود کو فلاح و بہود کے کاموں میں زیادہ ہی الجھا لیا تھا انہوں نے لیکن اس روز خلاف توقع وہ گھر پر تھیں۔ انہیں ہلکا سا فلو تھا۔ حمزہ آپا نے ان کے لیے دار چینی اور پودینے والا قہوہ بنایا تھا اور وہ لونگ روم میں صوفے پر نیم دراز تھیں۔ شیشوں سے ہلکی دھوپ چھن چھن کر اندر آ رہی تھی۔ اور حمزہ آپا ان کے قریب ہی بیٹھی تھیں اور میں ذرا فاصلے پر بیٹھی اخبار دیکھ رہی تھی چھٹی کا دن تھا مصباح اور سونی کسی دوست کے ہاں سچ پر انوائٹمنڈ تھے غنی بھائی اپنے بڈ روم سے تیار ہو کر باہر نکلے تو مہی نے انہیں آواز دینے لگی۔

”کہاں جا رہے ہو۔“  
”ایک دوست کے ساتھ پروگرام ہے آج رات لیٹ آؤں گا۔“  
”غنی! حمزہ کو باہر لے جایا کرو۔ بور ہوتی رہتی ہے اکیلے۔“

”میں نے اسے منع تو نہیں کیا مہی۔ جب جی چاہے باہر چلی جایا کرے میٹرے پاس وقت نہیں ہوتا فضول۔“

”اور تم دوسروں کے ساتھ گھومتے رہو۔“ مہی کو ایک دم غصہ ہی آگیا۔  
”اور وہ کل کون تھی تمہارے ساتھ گاڑی میں۔“  
”میری دوست تھی۔“

”دوستوں کو گھمانے کے لیے تمہارے پاس وقت ہے اور بیوی کے لیے نہیں۔“ غنی بھائی نے رسٹ واپس پر نظر ڈالی۔

”مجھے دیر ہو رہی ہے اور پلیر مہی! آئندہ آپ میرے پرسل الینوز میں انٹر لینو مت کیجئے گا۔“  
وہ تیز قدم اٹھاتے چلے گئے اور مہی بہت دیر تک جب بیٹھی رہیں۔ پھر اٹھ کر اندر چلی گئیں۔ حمزہ آپا کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں۔  
”حمزہ آپا! آپ نے اٹھ کر ان کا ہاتھ تھام لیا۔ مجھے ایک دم یوں لگا جیسے ان کے آنسوؤں کی ذمہ داری میں ہوں۔“

”حمزہ آپا پلیر مجھے معاف کر دیجئے گا۔“  
”کیوں۔“ انہوں نے ہاتھوں کی پشت سے آنسو پونچھے۔

”تم نے کیا کیا ہے رہا۔؟“  
ہاں میں نے کیا کیا ہے، کچھ بھی نہیں لیکن پھر بھی میں اپنے آپ کو مجرم سمجھتی ہوں، میں نے سوچا اور حمزہ آپا کی طرف دیکھا۔  
”میں نے آپ کو بچانے کی کوشش بھی تو نہیں کی حمزہ آپا! اور ہمیں کیا پتا تھا کہ غنی بھائی ایسے ہوں گے۔“

میں ایک دم پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تو انہوں نے مجھے گلے سے لگالیا۔

”بتائی یہ تو قدر کے کھیل ہوتے ہیں اور پھر غنی بہت اچھے ہیں بس اپنے اپنے مزاج کا رنگ ہوتا ہے۔“

اور میں بہت دیر تک ان کے گلے سے لگی روٹی رہی۔ پتا نہیں میری کوشش کامیاب ہوتی یا نہیں لیکن یہ طلال تو نہ ہوتا اور احساس جرم یوں کچوکے تو نہ لگاتا۔

”حمزہ آپا۔“ میں نے ان سے الگ ہو کر اپنے آنسو پونچھتے ہوئے ان کی طرف دیکھا۔

”ہم سب، میں، سونی، مولیٰ اور مہی ڈیڈی، ہم سب آپ سے بہت محبت کرتے ہیں۔“  
”جانتی ہوں۔“ وہ مسکرائیں۔



”اور تم منہ ہاتھ دھو کر آؤ“ آج دونوں گھونٹے چلتے ہیں۔ لمبی ڈرائیو یہ کھانا بھی باہر کھائیں گے۔ ”حزہ آپا کا ضبط بے انتہا تھا۔

اور اس روز حزہ آپا سے سواری کر لینے سے جیسے میرے دل کا بوجھ بہت حد تک کم ہو گیا تھا حالانکہ ایک سواری کر لینے سے کسی جرم کی سنگینی کم تو نہیں ہو سکتی لیکن میرا ذہن وقتی طور پر ہلکا بھلکا ہو گیا تھا اور میں جو حزہ آپا سے بچتی پھر رہی تھی کو تشش کرنے لگی کہ غفی بھائی کی عدم موجودگی میں جب حزہ آپا اکیلے ہوتی ہیں انہیں زیادہ سے زیادہ کہنی دونوں زندگی اسی طرح گزر رہی تھی۔ میرے فائل ہو گئے تھے اور میں فارغ تھی اور کراچی جانے کا پروگرام بنا رہی تھی۔ نجو چچا سے زیادہ میں سیفی سے ملنے کے لیے بیتاب ہو رہی تھی۔ پتا نہیں کیسے ہیں وہ کیا حزہ آپا کو اب بھی یاد کرتے ہیں یا بھول گئے ہیں اور ان کے شب و روز کیسے گزرتے ہیں اور کیا ان کی زندگی میں کہیں میری گنجائش بھی ہو سکتی ہے۔ یا نہیں اور پتا نہیں کیا کیا تھا میرے ذہن میں میں نے حزہ آپا سے کہا کہ وہ کچھ دن کے لیے گاؤں چلی جائیں سب سے مل آئیں۔ طبیعت بہل جائے گی میں بھی کراچی کا چکر لگا آئی ہوں۔

”ہاں غفی سے کہوں گی، تم کہہ رہی ہو تو۔“ حزہ آپا کی اپنی تو جیسی کوئی مرضی رہی ہی نہیں تھی۔ جس نے جو کہہ دیا مان لیا۔ مگر ابھی حزہ آپا گاؤں نہیں گئی تھیں کہ ڈیڈی کی طبیعت خراب ہو گئی معمولی سا انجائنا کا انیک تھا لیکن پھپھو نے سنا تو بے چین ہو کر آگئیں۔

حزہ آپا کو گلے لگاتے ہوئے بے اختیار آنسو ان کے رخساروں پر پھسل آئے۔ حزہ آپا کی آنکھیں ضبط کی کوشش میں ایک دم سرخ ہو رہی تھیں۔

”کیسی ہو خوش ہوتا۔“

حزہ آپا نے اثبات میں سر ہلایا لیکن اس سے ان کی آنکھوں میں جو درد کی کیفیت تھی میں تڑپ اٹھی اور پہلی بار میں نے خلوص دل سے سوچا کاش ایسا نہ ہوتا۔ حزہ آپا کی غفی بھائی کے بجائے سیفی سے شادی

ہو جاتی۔ اور دل کو کچھ ہوا یوں جیسے ڈوب کر ابھر ہو۔ ”سیفی کیسے ہیں۔“ انہوں نے آستنی سے پوچھا۔ میرے علاوہ کوئی اور بھی ان کے راز کو جانتا تھا اور وہ پھپھو تھیں۔

لیکن پھپھو نے ان کی بات کا جواب نہ دیا اور میری طرف متوجہ ہو گئیں اور حزہ آپا یوں کھڑی رہ گئیں جیسے لب دریا پاسی کھڑی ہوں۔ پھپھو آئیں تو صرف چند دنوں کے لیے تھیں ڈیڈی کو دیکھنے لیکن خود بیمار پڑ گئیں۔

”ڈیڈی تو ٹھیک ہو گئے لیکن پھپھو کو ہاسپٹل ایڈمٹ کروانا پڑا نہ صرف یہ کہ اینڈکس پھٹنے کا خطرہ تھا بلکہ اینڈکس کے ساتھ کوئی اور بھی مسئلہ تھا۔ فوری طرح برائے کرنا پڑا سیفی آپریشن سے کچھ دیر پہلے پہنچ گئے۔ میں حزہ آپا، ممی، سونی، مصباح سب ہی ہاسپٹل میں تھے۔ انہوں نے ایک نظر حزہ آپا کو دیکھا اور پھر پھپھو کے پاس جا کر بیٹھ گئے۔ لیکن اس ایک نظر میں اتنی حسرت، اتنی آرزوئیں تھیں کہ مجھے خود بخود ادراک ہو گیا کہ سیفی حزہ آپا کو ابھی تک نہیں بھول پائے ہیں اور پھر دن ہی کتنے ہوئے تھے آٹھ ماہ میں بھی آٹھ ماہ بعد سیفی کو دیکھ رہی تھی اور ان آٹھ ماہ کے دن رات میں مسلسل میں نے انہیں سوچا تھا اور اب وہ سامنے تھے تو دل جیسے دھڑکنا بھول گیا تھا۔

پھپھو تقریباً ”آٹھ دن ہاسپٹل میں رہیں اور میں ان کے پاس ہی رہی حزہ آپا پروگرام کے مطابق دو دن بعد گاؤں چلی گئی تھیں اور اچھا ہی ہوا کیونکہ میں دیکھ رہی تھی کہ حزہ آپا اور سیفی دونوں کے لئے کس قدر مشکل تھا، خاص طور پر سیفی تو ان کی موجودگی میں بہت ڈسٹرب ہو جاتے بار بار سگریٹ جلاتے، انگلیاں اضطراب میں مروڑتے اور جب ان کی نگاہیں حزہ آپا کی طرف اٹھتیں تو پھر جھکنا بھول جاتیں سو حزہ آپا نے یہی بہتر جانا کہ وہ گاؤں چلی جائیں، حالانکہ ممی نے کہا بھی تھا کہ پھپھو ہاسپٹل سے آجائیں تو چلی جانا، لیکن ہر بات پر سر جھکا دینے والی حزہ آپا نے ممی سے درخواست کی کہ وہ انہیں گاؤں جانے دیں۔ اور ممی خاموش ہو گئیں لیکن انہیں اس بات کا بہت افسوس

تھا کہ وہ ان دنوں جب پھپھو ہسپتال میں تھیں کیوں گئیں۔

”کم از کم تمہیں ریسٹ مل جاتا، نزی کا بچہ چھوٹا ہے مصباح اس پوزیشن میں نہیں کہ ہسپتال میں رہے اور میرا بلڈ پریشر بالی ہو جاتا ہے۔ اب تم اکیلی دن رات۔“ وہ ناراض لگ رہی تھیں۔

”یہ آپ خالص ساسوں والی بات نہ کریں کیا آپ حمزہ آگاہ نہیں جانتیں۔ یہ تو پھپھو ہیں جو شیو میں سے بھی کوئی بیمار ہوتا تو وہ اس طرح نہ جائیں لیکن کنیز خالہ اتنی بیمار ہیں اور کب سے بلا رہی تھیں۔ میں نے انہیں کہا ہے خود جانے کو۔“

”کنیز بیمار ہے؟ کیا ہوا اسے؟ حمزہ نے مجھ سے تو ذکر نہیں کیا۔“ ممی سارا غصہ بھول گئیں۔ ”اور بے چاری بیمار نہ ہو تو کیا ہو اس عمر میں شوہر سو کن لے آیا۔ یہ تھوڑا برا غم ہے۔ جی کا روگ۔“ حمزہ آپا کے جانے سے سیفی خاصے مطمئن ہو گئے تھے۔

اس روز پھپھو ہسپتال سے گھر آئی تھیں اور میں ان کے لئے سوپ بنا کر لائی تھی۔ اور پھپھو کا موڈ نہیں ہو رہا تھا چنے کا۔

”پھپھو پلیر، تھوڑا سا چکھ کر تو دیکھیں۔ اتنے مزے کا ہے، میں نے خود بنایا آپ کے لئے۔“ سیفی پاس ہی بیٹھے تھے۔

”اور آپ کھائیں گی نہیں تو کراچی کیسے جائیں گی اور پھر آپ کو فکر ہوگی، سیفی بھائی پتا نہیں ناشتا بھی کرتے ہیں یا نہیں کھانا بھی کھاتے ہیں یا نہیں۔“ وہ اٹھ کر بیٹھ گئیں اور سوپ کا پیالہ میرے ہاتھ سے لے لیا۔

”را! تم نے امی کا اتنا خیال رکھا ہے۔ کس طرح تمہارا شکریہ ادا کروں۔“

”اپنا شکریہ اپنے پاس رکھیں۔ میں نے آپ کی امی کا نہیں اپنی پھپھو کا خیال رکھا ہے۔“

”تم بہت اچھی ہو رہا۔“ ان کی نگاہوں میں بھی میرے لئے تحسین تھی۔

”واقعی رہا نے بیٹیوں سے برہ کر خیال رکھا ہے۔“ پھپھو نے بھی تائید کی۔

لیکن میں ان کی بات نہیں بن رہی تھی، میرے کانوں میں تو بس ایک ہی بات گونج رہی تھی۔

”تم بہت اچھی ہو۔“ جیسے کائنات بھی وجد میں آکر محور قفس ہو گئی ہو اس ایک جملے کی تال پر ”تم بہت اچھی ہو رہا بہت اچھی۔“ میں رقص میں تھی۔

اس روز میں نے کتنی ہی بار آئینے میں اپنے آپ کو دیکھا خوبصورت شفاف جلد گورا رنگ، دلکش براؤن آنکھیں، مناسب ہائیٹ بلکہ میرا قد حمزہ آپا سے ایک دو انچ بڑا ہی ہو گا۔

شکل و صورت کے لحاظ سے میں ان سے زیادہ خوبصورت تھی۔ اب تو میرے بال بھی کچھ برہ گئے تھے پھر میں نے اپنے آپ کو حمزہ آپا بنانے میں ساری توانائی خرچ کر دیں ان ہی کی طرح ہر کام کرتی حتیٰ کہ لب و لہجہ بھی ویسا ہی دھیمہ ہو گیا، کھنکھن کر دھیسے لہجے میں بولتی حالانکہ اس سے پہلے خاصا اونچا بولتی تھی۔ مولیٰ کو کئی بار تشویش ہوئی۔

”یار سونی یہ رہا کے ساؤنڈ بکس میں کوئی خرابی تو نہیں ہو گئی۔“

”ہاں مولیٰ! تشویش تو مجھے بھی ہے۔“ لیکن مجھے ان کی پروا کہاں تھی۔ مجھ پر تو حمزہ آپا جیسا بننے کی دھن سوار تھی میں نے بھی سفید دھن اور سفید شلوار کے ساتھ رنگین شرٹ پہننا شروع کر دی تھی۔

جب بھی آتے سیفی مجھے دیکھ کر حیران ہوتے، ان کی آنکھوں میں میرے لئے لمحہ بھر کو تحسین کا جذبہ نظر آتا اور وہ اکثر زبان سے بھی اس کا اظہار کر جاتے۔

”را! تم نزی سے بالکل مختلف ہو بلکہ مزاج میں کچھ کچھ حمزہ سے ملتی ہو، نزی کے مزاج کے رنگ بالکل مختلف ہیں۔“

”اچھا کیسے ہیں نزی آپ کی مزاج کے رنگ۔“ میں جان بوجھ کر بات برہاتی۔

”تیز، بہت تیز چہنچہ چلاتے، جو کبھی تو خنک موسموں میں آنکھوں کو اچھے لگتے، لیکن کبھی گرم موسموں میں چبھتے ہیں آنکھوں میں اور تمہارے



# ☆ خوبصورت معیاری کتابیں

آمد	غزلیں	ڈاکٹر بشیر بدیع 90٪
آسمان	غزلیں	ڈاکٹر بشیر بدیع 70٪
اسیج	غزلیں	ڈاکٹر بشیر بدیع 70٪
آہٹ	غزلیں	ڈاکٹر بشیر بدیع 60٪
کلیاتِ بشیر بدیع	غزلیں	ڈاکٹر بشیر بدیع 300٪
زندگی	غزلیں	منظر جہاوی 75٪
عالمی مشاعرہ	انتخاب	افضل صدیقی 90٪
لمحے	غزلیں	ندیم سگر 60٪
آہنگِ خمار	غزلیں	خارباہ بنگو 150٪
ستارہ سفر	غزلیں	جال احسان 75٪
توئیاں مع پرچائیاں	مصوبہ بدیع	ساحر لدھیانوی 90٪
آؤ کہ کوئی خواب نہیں	غزلیں	ساحر لدھیانوی 60٪
تنہا مسافر	ناول	ذوالقرنین 150٪
جب وہ چوے پتھر کو ناول	ذوالقرنین	50٪
کتوری	افسانہ	رفت سراج 75٪

کتاب بدیع ۷۰۲ روایتِ نبوی کی جائے کتاب  
منگولہ کے لیے کتاب کی قیمت اور ایک خرچ فی کتاب  
پیکارو پے بذریعہ مفتا ڈرافٹ ارسال کریں

کتابیں ملنے کا پتا  
مکتبہ عمران ڈائجسٹ

37 اردو بازار کراچی

فون 216361

☆

مزانج کے رنگ ہلکے ہیں بہت ہلکے جو کسی بھی موسم میں آنکھوں میں نہیں ہیں۔ بالکل حمزہ کے مزانج کے رنگوں کی طرح دھسے اور ہلکے آنکھوں کو اچھے لگنے والے۔ اور میرے اندر باہر پھلجڑیاں سی چھوٹے لگتیں۔

اور پھر ایک دن پچھونے مجھے سیفی کے لئے مانگ لیا۔ اور یہی تو چاہا تھا میں نے۔

میری ساری ریاضت تو اسی کے لئے تھی۔ وہ ایک شخص جسے میں نے چاہا، بالآخر میرا ہو گیا۔ نزی آلی نے مجھ سے پوچھا تھا اور یہ جان کر کہ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ وہ تمہیں بھر کو چپ سی رہ گئی تھیں۔

”رہا! تم سیفی بھائی کے ساتھ خوش رہ سکو گی؟“ اور ان کو کیا پتا تھا کہ یہ تو میرے دل کی اولین خواہش ہے۔ اور یہی تو چاہا تھا میں نے کتنی دعائیں مانگی ہیں میں نے اور کتنی ریاضت کی ہے۔

”اصل میں۔“ وہ کچھ سوچ میں پڑ گئیں۔ ”تمہیں پتا ہے بچپن سے ہی سیفی بھائی کی بات حمزہ سے ملے تھی اور پتا نہیں کیوں مجھے لگتا ہے جیسے سیفی کبھی بھی حمزہ کے سحر سے نہیں نکل سکے گا“ اور تم۔ ایک تقسیم شدہ شخص کے ساتھ خوش رہ سکو گی رہا۔“

مجھے ان پر ٹوٹ کر پیا رہا۔ میں ہمیشہ سے جانتی تھی کہ وہ مجھ سے بے انتہا پیار کرتی ہیں اور اس وقت جب کہ مٹی سمیت سب سیف اللہ اختر کے رشتے پر بے انتہا خوش تھے۔ ان کی یہ تشویش، ان کی حد سے زیادہ محبت کی دلیل تھی۔ لیکن میرے لیے سیفی کی رفاقت میری زندگی کا سب سے بڑا اور قیمتی خواب بھی۔ میں اس شخص سے کتنی محبت کرتی تھی اس کی گہرائیوں کا مجھے خود بھی اندازہ نہیں تھا لیکن میں اتنا جانتی تھی کہ سیفی سے پتھر کر زندگی میرے لئے مرجائے گی۔

”رہا! بیداد“ میرا دیور بہت اچھا ہے ہر لحاظ سے ہم تو اس کے لئے سوچ رہے تھے اگر تم کہو تو میں مٹی سے بات کروں، وہ تم سے۔ وہ صرف تمہارا ہو گا اس کی زندگی صاف سلیٹ کی مانند ہے، پہلا نام تمہارا ہو گا۔“

”نہیں آلی! میں خود۔ میں خود بھی سیٹی۔“  
 ”جانتی ہوں لیکن میری جان یہ قریب رہ کر دور  
 رہنے کا عذاب سوچ لو۔“

نزی آلی کا مشاہدہ غضب کا تھا لیکن میں نے تو کچھ  
 سوچنا نہیں تھا۔ سو کوئی میرے دل سے پوچھے تو میں  
 بتاؤں کہ یہ قریب ہو کر دور رہنے کا عذاب کیا ہوتا  
 ہے۔ اور میں اس عذاب میں ہوں کئی سالوں سے۔  
 میری نارسائی کے ہاتھ میں

نہ چراغ ہے نہ کوئی ہنر  
 کسی راستے کی تلاش میں ہے  
 لہو لہو میری چشم تر

اور میں نے سوچا تھا کہ میں حزنہ آیا جیسی بن جاؤں گی تو  
 وہ محبت بھی حاصل کر لوں گی جو حزنہ آیا کو ملی۔ لیکن میں  
 تو سرے پاؤں تک حزنہ آیا بن گئی مگر وہ محبت جس کی  
 مجھے تمنا تھی وہ مجھے نہیں ملی۔

سیٹی آج بھی وہیں ہیں جہاں سفر کے آغاز میں کھڑے  
 مجھے ملے تھے، حزنہ آیا کی محبتوں میں ڈوبے ہوئے حزنہ  
 آیا کے تصور میں کھوئے ہوئے۔

دن رات ان کے تصور میں غلطاں بے چین اور  
 مضطرب میں ان کی رفق زندگی۔

جو کبھی رمانہ ملک تھی۔ مگر آج رمانہ سیف اللہ ہوں،  
 پچھو دن رات مجھے دعا میں دیتی ہیں، مگر کیا یہ اتنا لبا  
 سفر میں نے صرف ان کی ممنونیت حاصل کرنے کے  
 لئے کیا تھا۔

یہ اتنی ریاضت

رمانہ ملک سے حزنہ بننے تک کا سفر اور میرے اندر جیسے  
 کوئی کچوکے لگاتا اور خنجر چھوٹا ہے۔ وہی اضطراب  
 وہی بے چینی وہی آنکھیں ہر لمحہ آنسو لٹانے کو بے  
 تاب پا کر نہ پانے کا دکھ نہ پانے کے دکھ سے کتنا بڑا  
 ہے یہ میں نے اب جانا ہے، سیٹی کہتے ہیں۔

”را! تم بہت اچھی ہو، تمہارے علاوہ اگر کوئی اور  
 اس گھر میں آتا تو شاید میں بکھر جاتا۔ ٹوٹ جاتا، را! تم  
 نے اتنی اخلاطی کہاں سے سیکھی ہے۔ تم نے مجھے  
 سنبھال رکھا ہے اور یہ تو امی کی خواہش تھی یہ میرا گھر  
 بسانا چاہتی تھیں جب کہ مجھے ایسی کوئی چاہ نہ تھی۔“  
 ایسے ہی سینکڑوں جملے ہیں جو ان سارے جیتے برسوں پر

بھلے ہوئے ہیں لیکن ان میں وہ ایک جملہ نہیں ہے  
 کہیں بھی نہیں، وہ ایک جملہ جسے سننے کی چاہ میں تن  
 من میں آگ لگی ہے۔

میں نے کئی بار اپنے آپ کو آئینے میں دیکھا ہے، میں  
 حزنہ آیا سے کہیں زیادہ خوبصورت ہوں، اور پھر حزنہ آیا  
 کی عادتیں اپنانے میں، میں نے اپنا آپ تھکا ڈالا ہے  
 لیکن پھر بھی، پھر بھی سیٹی کے دل سے حزنہ آیا کی یاد کو  
 کھینچ نہیں سکی ہوں، کبھی کبھی تو میرا دل بہت دکھتا  
 ہے۔

اور میں مجرم نہ ہوتے ہوئے بھی خود کو مجرم سمجھنے لگتی  
 ہوں، جب کبھی می کہتی ہیں۔

”عفی کی شادی میں غلطی ہو گئی را! میں بھی اس کی  
 باتوں میں آگئی کہ وہ حزنہ سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ حزنہ  
 ایسی سارا دل لڑکی دونوں کے مزاج میں زمین آسمان کا  
 فرق ہے عفی کے ساتھ تو مسز ہدالی کی بیٹی ہی چل سکتی  
 تھی۔“

مولیٰ کو بھی حزنہ آیا کا دکھ ہے، ہائے یہ ہمارے گھر کے  
 لوگ، جنہیں عفی بھائی کے بجائے حزنہ آیا سے ہمدردی  
 ہے۔ حالانکہ وہ کچھ بھی نہیں جانتے اور میں جو سب  
 جانتی ہوں مجرم بنی سب کی سنتی رہتی ہوں۔

مولیٰ کی ان دنوں لاہور میں پوسٹنگ ہو چکی ہے اور می  
 اس کے لئے لڑکی ڈھونڈ رہی ہیں ابھی کل ہی مولیٰ نے  
 فون پر مجھے اطلاع دی ہے۔

”سنو حزنہ آیا نے ڈائری لکھنا چھوڑ دی ہے۔ کہہ  
 رہی تھیں اب لکھنے کے لئے رہ ہی کیا گیا ہے۔“

”واقعی اب لکھنے کے لئے کیا رہ گیا ہے ان کے پاس  
 اور کتنا تجسس ہوتا تھا ہمیں کہ حزنہ آیا اپنی ڈائری میں  
 کیا لکھتی ہیں۔“

”کھانوں کی ترکیبیں۔“ سونی کی رائے تھی۔  
 ”گھر پلو ٹوٹے اور اشعار مثلاً: بھری گلاب کی قسم کے  
 شعر۔“

سونی رائے دینے میں سونی سے کبھی پیچھے نہیں رہا تھا۔  
 لیکن پھر جب مصباح نے انکشاف کیا کہ ضرور حزنہ آیا  
 کو کسی سے محبت ہے جس کا حال وہ اپنی ڈائری میں  
 لکھتی ہیں، تب سونی نے اور میں نے کتنا کھوج لگایا تھا  
 ان کی ڈائریوں کا اور کتنا شوق ہوا کرتا تھا ہمیں ان کی



ڈائری پڑھنے کا اور اب جب کہ ان کی ساری ڈائریاں میرے سامنے پڑی ہیں سیفی کے وارڈروب کی چکی دراز میں اور دراز کی چالی ہمیشہ میرے بیڈ کی سائیڈ والی دراز میں رہتی ہے۔ میں نے کبھی انہیں پڑھنے کی کوشش نہیں کی۔

ہاں ایک بار میں نے ایک ڈائری پڑھی تھی۔ وہ بھی پوری نہیں۔ کیس کیس سے۔

اور مجھے لگا تھا جیسے میں۔ میں تو پھانسی کی مستحق ہوں اور میں نے ڈائری بند کر دی تھی۔ اور مجھے لگا تھا اگر میں نے حمزہ آپا کی یہ ساری ڈائریاں پڑھ لیں تو میرا دل پھٹ جائے گا۔ یا ایک دم بند ہو جائے گا حمزہ آپا ہر سال کے اختتام پر یہ ڈائری سیفی کو دے دیا کرتی تھیں۔

ہر نیو ایئر گزرے سالانہ ڈائری کا جتنے کس قدر مفرد اور مختلف گفت ہوتا تھا ان کا اور ان ساری ڈائریوں میں ان کے خوبصورت جذبے بند ہیں۔ اور سیفی کے لئے یہ ڈائریاں بہت قیمتی متاع ہیں۔ دنیا جہان کے خزانوں سے زیادہ قیمتی، کبھی کبھی وہ جب بہت اداس ہوتے ہیں تو کوئی ڈائری نکال کر اسے یوں احتیاط سے ہاتھوں میں تھام کر پڑھتے ہیں جیسے کوئی الہامی کتاب ہو اور میں مضطرب سی کورڈور میں یا لی وی لاؤنج میں مشغول رہتی ہوں اور سیفی مجھے اپنے سے بہت دور لگتے ہیں۔ سوچی رہتی ہوں کہ۔

وہی اضطراب فراق ہے وہی اشتیاق وصال ہے۔

تیری جستجو میں جو حال تھا تجھے پا کے بھی وہی حال۔

اور کبھی کبھی سیفی اچانک اٹھ کر لاؤنج میں آجاتے ہیں۔ ڈائری واپس لا کر کے۔

”سوری رہا! میں شاید تمہیں بہت خوش نہیں دے سکا، کبھی میری ذات سے کوئی تکلیف پہنچے میرے دے سے دکھ ہو تو پلیز میری مجبوری سمجھ کر مجھے معاف کر دینا کہ تمہیں تم تو جانتی ہو سب۔“

اور یہ جاننا ہی تو میرے لئے مسلسل عذاب ہے کاش میں کچھ نہ جانتی ہوئی تو یہ احساس جرم تو نہ ہوتا اور ایسا ہی ایک چھوٹا سا سوری مجھے بھی کرنا ہے۔ سیفی

سے۔ لیکن میں کیا کہوں کہ میں نے، میں نے کیا کیا ہے۔ اور وہ چپ چاپ بیٹھے مجھے دیکھتے رہتے ہیں یا قریب بیٹھے ذکی سے کھیلے رہتے ہیں۔ کبھی کبھی میں پوچھتی ہوں۔

”آپ کو حمزہ آیا بہت یاد آتی ہے۔“ تو وہ بے اختیار میرے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیتے ہیں۔

”چاہیں کتنا یاد آتی ہے۔“

لیکن ڈونشوری

A LITTLE

PAIN IN THE HEART

SMALL TEAR IN THE EYES

اور پھر وہ میری طرف دیکھ کر مسکراتے ہیں۔

AND IT IS NO THING (دل میں ہلکا

سادرد، آنکھ میں نمی، بس اور تو کچھ نہیں)

ایک تار اسان کی سیاہ چمکیلی آنکھوں میں چمکتا ہے اور

وہ میرے ہاتھوں کو ہولے سے دبا کر گویا سب ٹھیک

سے کا تھیں دلا کر ذکی کو گود میں اٹھا کر اپنے بیڈ روم میں

چلے جاتے ہیں۔ اور میں وہیں بیٹھی رہ جاتی ہوں۔

مجھے حمزہ آپا کا دکھ ہے، مجھے سیفی کا دکھ ہے، اور

سب سے بڑھ کر مجھے اپنا دکھ ہے اور میں کسی کے لئے

کچھ نہیں کر سکتی۔

نہ حمزہ آپا کے لئے، جو میرا آئیڈل نہیں تھیں لیکن

میں نے ان جیسا بننے کی کوشش کی۔

اور نہ سیفی کے لئے، جنہیں میں نے چاہا محبت کی، بلکہ

شاید خوش کیا۔

اور نہ اپنے لئے حالانکہ میں نے تو

کتنا سہل جانا تھا

خوشبوؤں کو چھو لینا

روشنی ستاروں کی

ٹھکیوں میں بھر لینا

کتنا سہل جانا تھا

لیکن۔ اے نظری خوش فہمی

اس طرح نہیں ہوتا

اس طرح نہیں ہوتا۔

